شرح ارشادات حضرت خواجہ محبوب اللہؒ

گلدستۂ ارشادات



مرتبہ

سید غوث علی سعید حسینی القادری المعروف بہ احمد حنبلی

ارشادات حضرت سیدنا خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کی شرح

موسوم بہ اسم تاریخی

گلدستۂ ارشادات

۱۴۲۶ھ

تالیف

ڈاکٹر احمد حنبلی

فاضل (نظامیہ) پی ایچ ۔ ڈی (عثمانیہ)

بہ اہتمام

محی اکیڈیمی حیدرآباد

ناشر

ریاض مدینہ پبلی کیشنز، مصری گنج حیدرآباد

فہرست

از: حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالقادر حسینی صاحب قبلہ مدظلہ
نبیرہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ

تقریظ

حامداً ومصلیاً ومسلماً ۔ اما بعد! ہمارے پیشوائے طریقت حضرت سیدنا خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ العزیز اولیاء میں امتیازی شان کے حامل ہیں ۔آپ کا مشن خدا کے بندوں کو خدا سے جوڑنا تھا۔ پچاس سال کے مختصر عرصہ حیات میں آپ نے ایک ایسی جماعت تیار فرمادی جس کا ہر رکن علم وعمل کا آفتاب تھا اور جس کی ضیاء پاشی سے ارض دکن کا ہر گوشہ منور ہوگیا پھر اپنے وصال سے صرف ایک مہینہ پہلے یعنی ۱۵ رشوال المکرم ۱۳۱۴ھ کو اپنے وابستگان سلسلہ کے لئے ایک مختصر ہدایت نامہ تحریر فرمادیا جس کی عبارت انتہائی سادہ' دلنشین اور اثر انگیز ہے یہ سارے اہل سلسلہ اور طالبین نجات کے لئے ایسا دستور العمل ہے جس پر عمل کرکے خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے ۔شیوخ طریقت اپنے اپنے حلقہ ارادت میں اس کی شرح بیان فرماتے رہے اور عمل کی تعلیم دیتے رہے لیکن ضرورت تھی کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور اولیاء وصلحاء کے اقوال کے ذریعہ اس کی ایک جامع شرح بھی لکھ دی جائے ۔عزیزم ڈاکٹر احمد حنبلی صاحب شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس دیرینہ ضرورت کی تکمیل کردی ہے۔ ایسے دور میں جب کہ تلاش روزگار میں بہت سے لوگ عارضی یا مستقل ہجرت کرکے دوسرے ملکوں میں جابسے ہیں اور بہت سے ترک وطن کو تیار بیٹھے ہیں یہ کتاب ان سب کے لئے بہترین زادسفر بھی ہے اور مشعل راہ بھی ۔ میں ہندوستان اور بیرون ہند مقیم سارے وابستگان سلسلہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ

اس کتاب کو شوق کے ہاتھوں خریدیں گے اور قدر کی نگاہوں سے پڑھیں گے۔ بلکہ اس کا ایک ایک صفحہ پڑھ کر اپنے اہل وعیال کو سنائیں گے۔ جس طرح ہم اپنے اہل وعیال کی دنیا سنوارنے کی فکر کرتے ہیں اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ فکر ان کی آخرت سنوارنے کی بھی کرنا چاہئے کیونکہ یہ دنیا تو دوروزہ ہے اس کی فکر کرنا اگر فطری تقاضہ ہے تو اُس دنیا کی فکر کرنا بھی واجب ہے جو ابد الآباد ہے اور جہاں دنیا کے ہر عمل کی سزا وجزا ملنے والی ہے۔ اللہ رب العزت کا حکم ہے "یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا ○ اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔'' دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے اور جنت کے مستحق بننے کے لئے کیا کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے یہ سب اس کتاب ''گلدستۂ ارشادات'' میں موجود ہے۔ پڑھو عمل کرو اور جنتی بن جاؤ۔

ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

احقر العباد

ڈاکٹر سید عبد القادر حسینی دستگیر پاشاہ قادری

محی گلشن قاضی پورہ حیدرآباد

المرقوم ۱۲/ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۶ھ

م ۱۵/ڈسمبر ۲۰۰۵ء

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين . والصلوة والسلام علي سيد الانبياء والمرسلين وعلي اله واصحابه اجمعين .

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے ۹۹ ویں عرس شریف کے موقع پر ۱۴۱۲ھ میں غلط فہمی کے شکار میرے ایک پیر بھائی صاحب نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے مصافحہ کرنے اور تعظیم کو اٹھنے سے سخت منع کیا ہے یہاں تک کہ فرمایا کہ وہ میرا مخالف ہے جو ایسا کرتا ہے ۔پھر آپؒ ہی کی خانقاہ میں اس پر کیوں عمل نہیں ہوتا ؟ الحمد للہ اس وقت تو میں نے ان کو ان کے اعتراض کا تشفی بخش جواب دے دیا لیکن ارادہ ہوا کہ حضرتؒ کے ارشادات کی شرح لکھی جائے کیونکہ ایسے شکوک وشبہات کسی کے دل میں بھی پیدا ہوسکتے ہیں ۔پھر اس کے چند دن بعد ہی ایک اور صاحب نے اعتراض کیا کہ جب حدیث شریف سے مصافحہ اور قیام تعظیمی جیسے امور کا جواز ثابت ہے تو پھر اس سے اتنے سخت الفاظ کے ساتھ کیسے منع کیا جاسکتا ہے چوں کہ یہ اعتراض کا رخ سرکار خواجہ کی طرف جاتا تھا اس لئے طبعاً مجھے بڑی ناگواری ہوئی اور میں نے تہیہ کرلیا کہ جلد ہی اس کی شرح لکھ دوں گا ۔دراصل دونوں قسم کے لوگ ناواقفیت اور غلط فہمی کا شکار ہیں ۔مختصر یہ کہ اس طرح کے اور سوالوں سے میرے ارادہ کو تقویت ہوئی اور میں نے کتاب لکھنی شروع کردی ۔ یہ کتاب حضرت قدس سرہٗ کے صد سالہ عرس شریف کے وقت ۱۴۱۳ھ میں

مکمل ہوچکی تھی جسے میں نے والدی حضرت شہنشاہ قادری کو ملاحظہ کے لئے پیش کیا۔حضرت نے بعض ترمیمات کا حکم دیا لیکن اس کے بعد مصروفیات کچھ ایسی رہیں کہ کتاب پر نظر ثانی نہ ہوسکی۔کچھ عرصہ بعد ماہنامہ ''محبوب'' کی جانب سے اس کو ہر مہینہ قسط وار شائع کرنے کی پیشکش ہوئی چناں چہ والدی کے حسب الحکم ضروری ترمیمات کے بعد ایک ایک باب ہر مہینہ شائع ہوتا رہا۔یہ سلسلہ باب ۹ ''بیکار گفتگو'' تک جاری رہا پھر ناگزیر وجوہات کی بناء پر موقوف ہوگیا جس کے بعد لوگوں کا اصرار بڑھا کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔دوسری طرف عم محترم حضرت ڈاکٹر سید عبدالقادر حسینی مدظلہٗ کا حکم تھا کہ اس کی طوالت کو نصف حد تک گھٹادیا جائے چناں چہ جو کتاب تقریباً ۲۵۰ صفحات کا احاطہ کرتی تھی ۱۲۵ صفحات میں سمودی گئی۔

کتاب کا نام ''گلدستہ ارشادات'' حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کی سوانح حیات'' ''گلدستہ تجلیات'' کے وزن پر تجویز کیا گیا تھا لیکن جب گلدستہ ارشادات کے اعداد نکالے گئے تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بلا کسی کوشش اور تکلف کے تاریخ ۱۴۲۶ھ نکل آئی۔جب اس کی اطلاع میں نے عم محترم حضرت ڈاکٹر عبدالقادر حسینی مدظلہٗ کو دی تو آپ نے فرمایا بلاتاخیر اسی سال اس کتاب کو شائع کردینا چاہئے چنانچہ عم محترم حضرت مولانا سید شاہ محمد صدیق حسینی مدظلہٗ اور والدی حضرت مولانا شہنشاہ قادری مدظلہٗ نے بھی طباعت کی منظوری دے دی۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے وہ میری اس حقیر خدمت کو قبول کرے گا اور کوئی فروگزاشت ہوجائے تو اس کو معاف کرے گا۔اور شارح وقاری کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے گا۔

بندۂ ہیچمدان
ڈاکٹر احمد حنبلی عفا اللہ تعالیٰ عنہ
آغوش یحییٰ قاضی پورہ حیدرآباد

المرقوم
ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ م ڈسمبر ۲۰۰۵ء

ارشادات حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ

بیک نظر

(ماخوذ از ماسور الوظائف)

اللھم صل وسلم علی النبی الامی و الہ.

اس درود شریف کو روز گیارہ سو بار پڑھے۔ اگر کسی دن فرصت نہ ہو تو تین سو بار یا جس قدر ہو سکے پڑھے۔ ناغہ نہ کرے اور فرصت کے وقت اس کی قضاء کرے۔ **یا محمد صدیق محبوب اللہ** اس نام کو گیارہ سو بار پڑھنا ضروری ہے[1] اگر اس سے زیادہ بھی ہو سکے تو بہتر ہے۔ ہر وقت اپنے دم پر خیال رکھے۔ جب دم اوپر آوے تو اللہ کا خیال کرے اور جب نیچے اترے تو اللہ کا خیال کرے زبان سے کہنا ضروری نہیں فقط تصور رہے۔ اس کو پاس انفاس کہتے ہیں یہ ذکر سہل اور بے مشقت ہے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے کہیں ہو کسی حال میں ہو اس کا خیال نہ چھوڑے اس کو کوئی کام بھی مانع نہیں ہاں البتہ دل کے خطرات اس کو مانع ہیں جب دل میں دوسرے خیالات آتے ہیں تو ذکر رک جاتا ہے اور جب تک ذکر جاری رہتا ہے کوئی خیال نہیں آنے پاتا۔

صورت مرشد کا خیال شغل برزخ کہلاتا ہے یہ خدا سے ملنے کا بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ روز جب چاہے اس تصور کو جمایا کرے خصوص مغرب کی نماز کے بعد کبھی ناغہ نہ کرے جمعہ کی شب کو تو لازم سمجھے۔ مگر یہ سب باتیں یعنی ذکر کا جاری رہنا اور برزخ کا جمنا اور خدا کی طرف توجہ کا کامل ہونا، اور دنیا سے بے التفات ہونا جب ہی ہوتا ہے کہ آدمی کبیرہ گناہوں سے اور صغیرہ سے بھی جس قدر ہو سکے بچے۔

---

[1] یہ حکم صرف حضرت کے سلسلے سے وابستہ افراد کے لئے ہے۔

تکبر سب سے بڑا گناہ ہے اپنے کو اچھا سمجھنا حماقت ہے ۔ اس سے عمل ناچیز ہو جاتے ہیں جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اپنا اثر دکھلاتا ہے حلال روزی باعث خیر ہے اور لقمۂ حرام باعث ظلمت اور موجب فساد ہے ۔ ایک پیسے کے عوض کئی مقبول نمازیں برباد ہوتی ہیں ۔ مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا واجب ہے جس رسم و عادات کا شرع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہ ہو اس میں دخل نہ دے نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے جتنے لوگ رسم و عادات کے پابند ہیں ان کو آدمی نہ سمجھے اور ان سے نہ شرمائے نیک کام کسی کے دکھانے کو نہ کرے اس کو ریا کہتے ہیں ذرسا کام بھی خالص خدا کے لئے ہو تو وہی باعث نجات ہوگا ۔ جھوٹ غیبت حسد بیکار گفتگو دل کا نور کھوتے ہیں ۔ سلوک کی دس منزلیں ہیں:

(۱) تواضع (۲) صبر (۳) شکر (۴) قناعت (۵) عزلت (۶) خدا کی محبت (۷) ذکر (۸) رضائے حق پر راضی رہنا (۹) خدا سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور اسی سے امید رکھنا (۱۰) خدا پر بھروسہ کرنا ۔ یہ سب ترقی کے مقامات ہیں سب کا خلاصہ اچھوں کی صحبت میں ہے جو مرید کہ بعد طلب کے پھر اپنے قدیم صحبتوں کو نہ چھوڑے وہ بالکل فیض سے محروم ہے ۔ ضرورت کے قدر ان سے ملنا ناچاری ہے ۔ اس سے بڑھ کر جائز نہیں ۔ اپنے کام میں اللہ سے ہر وقت مدد چاہے اور ہر سبب کو جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہئے اور یقین کرے کہ جو کچھ بھلائی ہے خدا کا حکم بجالانے میں ہے اور جس قدر برائی ہے وہ لوگوں کی رائے پر چلنے میں اس زمانے میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ مسلمان کو سیدھا راستہ بتادے ہر ہر اپنے خبط میں گرفتار ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ سوائے اپنے مرشد یا رفیق راہ خدا کے کسی نہ سنے ۔

ایضاً ارشادات

سلام سنت اسلام اور شرع کی بہت عمدہ بات ہے اس کا ترک کرنا برا ہے ابتداء تو سنت ہے اور جواب فرض ہے ۔ مصافحہ عالم اور سید اور دیندار سے بہتر ہے ۔ آپس میں دوست بھی

کریں تو جائز۔ مصافحہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کو پیار کرنا سونگنا بیکار بات ہے۔ بعضے احمق تو اپنے ہی ہاتھ کو پیار کرتے ہیں ہاں کوئی عالم یا سید یا ماں باپ یا مرشد یا استاد ہو تو مضائقہ نہیں مگر ہر وقت مصافحہ اور تقبیل حماقت ہے۔ سلام سیدھے کھڑے ہو کے کرے پشت کو خم کرنا نہ چاہیے پاؤں پر ہاتھ پھیرنا یا پاؤں کو پیار کرنا کوئی ضروری نہیں۔ کسی کی تعظیم سروقد کھڑے ہو کر مسنون نہیں۔ جو اس کے خلاف کہے وہ ناپسند بات ہے۔ ہاں کسی کی دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے فرض وسنت نہیں یہ جو اپنے بزرگوں کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس سے اٹھ کر جاوے تو سب اٹھتے ہیں اور پھر آئے تو سب اٹھتے ہیں بری بات ہے۔ ایسے تکبر کی باتوں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مرشد اور اس کے مرید لوگ دونوں احمق ہیں جو اس کو جائز کہتے ہیں۔ غرض میری کہنے سے یہ ہے کہ اب سے کوئی جھک کر سلام کرے یا روز مصافحہ لازم سمجھے یا پاؤں کو ہاتھ لگائے یا تعظیم کو اٹھے وہ میرا مخالف ہے والسلام تحریر فی التاریخ ۱۵/شوال ۱۳۱۳ھ۔

(ماخوذ از گلدستہ تجلیات)

جس طرح نوافل وفرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل وقرب فرائض میں بھی ہے۔ اگر کوئی کام استخارہ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا ورنہ قرب نوافل میں۔ پس ہر کام میں استخارہ کرلیا کرو۔

باب ﴿۱﴾

درود شریف

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے اپنے خاص ارشادات سے قبل درود شریف اللھم صل وسلم علی النبی الامی والہ کو روزانہ گیارہ سو مرتبہ پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے اور عدیم الفرصتی کی صورت میں تین سو بار یا جس قدر ہو سکے پڑھنے مگر ناغہ نہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ فرصت کے وقت اس کی قضا کرے۔ یعنی عدیم الفرصتی کی صورت میں جس قدر چھوٹ گیا ہو اس کی فرصت کے وقت قضا بھی کرے۔ اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) درود شریف کے لئے اس قدر اصرار و تاکید کی کیا وجہ ہے؟

(۲) درود شریف کئی ہیں لیکن اسی درود شریف کو پڑھنے کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟

یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ درود شریف کے بے شمار فضائل ہیں بلکہ یہ وہ عبادت ہے جس میں بندوں کے ساتھ ان کا رب بھی شریک ہے۔ قرآن مجید کی آیت ان اللہ وملئکتہ......الخ کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے اور جب جب یہ آیت تلاوت کی جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے اور جتنے مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے اتنے مرتبہ درود پڑھنا مستحب ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے ''کیمیائے سعادت'' میں ایک حدیث شریف نقل فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے تو مسرت و شادمانی کا اثر نمایاں طور پر آپ کے چہرہ مبارک پر ظاہر تھا۔ فرمایا جبرئیل آئے تھے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا آپ اس بات کو پسند کریں گے کہ آپ کی امت میں سے جو شخص ایک بار آپ پر درود بھیجتا ہے میں دس

مرتبہ اس پر رحمتیں نازل کرتا ہوں اور اگر ایک بار آپ پر سلام بھیجے تو میں دس بار اس پر سلام بھیجتا ہوں۔

حکایت ہے کہ ایک شخص حضورؐ پر درود شریف نہیں بھیجتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں حضورؐ کو دیکھا کہ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ اس آدمی نے عرض کیا ''کیا حضورؐ مجھ سے ناراض ہیں''؟ آپ نے جواب دیا نہیں' میں تو تجھے پہچانتا ہی نہیں۔ عرض کیا حضورؐ مجھے کیسے نہیں پہچانتے حالانکہ علماء کہتے ہیں کہ آپ تو امتیوں کو ان کی ماں سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! علماء نے سچ کہا ہے لیکن تو نے مجھے درود بھیج کر اپنی یاد نہیں دلائی۔ میرا جو امتی مجھ پر جتنا درود بھیجتا ہے میں اسے اتنا ہی پہچانتا ہوں۔ اس شخص کے دل میں بات بیٹھ گئی اور اس نے روزانہ سو مرتبہ درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ مدت بعد حضورؐ کے دیدار سے پھر خواب میں مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اب میں تجھے پہچانتا ہوں اور میں تیری شفاعت کروں گا۔

درود شریف کے اتنے فضائل ہیں کہ ان کو جمع کریں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے حضرت علامہ محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ بانی جامعہ نظامیہ نے اپنی ایک مسدس میں فرمایا ہے کہ ؎

ہے درود پاک بھی ذکر شہ عالی مقام ہر طرح سے جس کا خالق کو ہے منظور اہتمام
بھیجتا ہے خود درود اس فخر عالم پر مدام اور فرشتے دائما مشغول ہیں جس میں تمام
کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جو طاعت سے بری جس کا نہیں کوئی شریک

اور پھر خود ہی اس بند کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو ایسی کچھ رفعت دی ہے کہ کسی کو وہ بات نصیب نہیں۔ اس ذکر خاص کی بدولت فقر دفع ہوتا ہے، رزق کشادہ ہوتا ہے بلکہ تمام امور کے لئے اس میں کفایت ہے۔ اس کا ثواب پہاڑوں برابر صدقہ دینے اور کئی غلام آزاد کرنے کے مساوی ہے بلکہ تمام روئے زمین پر کے لوگ جتنا عمل کریں سب کے کے برابر ہے اس کے سبب سے ہزارہا نیکیاں لکھی جاتی ہیں' ہزارہا گناہ مٹائے جاتے ہیں' درجے بلند کئے

جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ کا ذکر کرنے والا مرنے سے قبل اپنا مقام جنت میں دیکھ لے گا۔ آنحضرتؐ کی شفاعت اور قربت اس کو نصیب ہوگی۔ آخرت کے تمام کام اس پر آسان ہوں گے۔

جب خود خدائے تعالیٰ اور تمام ملائک آنحضرتؐ پر ہمیشہ درود بھیجتے ہیں تو امتیوں کو چاہئے کہ بطریق اولیٰ اس میں مشغول رہیں کیونکہ آنحضرتؐ کے جو جو احسانات امتیوں پر ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ اگر انھیں فکر رہی تو ہماری بخشش کی۔ دعائیں فرمائیں تو ہماری مغفرت کے لئے۔ ہمیشہ ہماری بھلائی کی ہی فکر میں گزاری۔ اب ایسا کون کمبخت ہے جو اپنے محسن کے احسانوں کو بھول جائے۔ خدائے تعالیٰ اور فرشتے تو ہمارے نبیؐ کے ذکر خیر میں رہیں اور بڑی شرم کی بات ہے کہ احسانوں کے باوجود ہم سے یہ بھی نہ ہو سکے۔

آنحضرتؐ جب سے تشریف فرمائے خلق ہوئے ہیں ایک فرشتہ خاص اسی کام پر مقرر ہے کہ جب کوئی حضرتؐ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ گویا کہ اس کے شکریہ میں کہتا ہے کہ تجھ پر بھی حق تعالیٰ رحمت کرے چنانچہ کنز العمال میں حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جبرئیل نے میرے پاس آکر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو امتی آپ کا آپ پر درود پڑھے تو حق تعالیٰ اس کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے، دس گنا مٹاتا ہے دس درجہ بڑھاتا ہے اور فرشتہ اس کے حق میں وہی کہتا ہے جو وہ آپ کے لئے کہتا ہے۔ میں نے کہا اے جبرئیل! فرشتہ کیسا؟ تو کہا حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت تک متعین ہے اس غرض سے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تجھ پر بھی خدا رحمت کرے۔

الوسیلۃ العظمیٰ میں ہے حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دو فرشتے مقرر کئے ہیں کہ جب کسی مسلمان بندہ کے آگے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دونوں فرشتے کہتے ہیں **غفر اللّٰہ لک** یعنی اللہ تجھ کو بخش دے۔ پھر خود حق تعالیٰ اور دوسرے فرشتے اس کے جواب میں آمین کہتے ہیں اور جس نے

میرا ذکر سن کر درود نہ پڑھا تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں اللہ تجھ کو نہ بخشے اور اللہ تعالیٰ اور دوسرے فرشتے اس کے جواب میں آمین کہتے ہیں۔ (اس کو طبرانی نے روایت کی ہے اور اسی مضمون کی ایک اور روایت تفسیر قرطبی میں بھی مذکور ہے)

حضرت عامر بن ربیعہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس کے حق میں اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہتا ہے۔ اب چاہیں درود زیادہ پڑھیں یا کم (احمد، ابن ماجہ)۔

کنز العمال میں ایک حدیث شریف مذکور ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کو ایک فرشتہ لے کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کو میرے بندہ یعنی آنحضرتؐ کی قبر (اطہر) کی طرف لے جاؤ تا کہ وہ اس کے کہنے والے کے حق میں استغفار کریں اور اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

اب اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے درود کا ہدیہ سرور عالمؐ کی بارگاہ میں پیش ہو حق تعالیٰ عزت افزائی کے لئے اپنی بارگاہ میں طلب کرتا ہے اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضورؐ میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے کو وہ دعائے خیر کے ساتھ یاد فرمائیں۔ سبحان اللہ! کیا عظیم الشان ذریعہ ہے جو کسی کو نصیب نہ ہوا۔ اگر ہم درود شریف پڑھا کریں تو ہمارا ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے۔ فرشتے ہمارے حق میں دعائے خیر کیا کریں اور خود رب العالمین لفظ آمین ارشاد فرمائے۔

بہر حال فضیلت درود شریف میں احادیث اس کثرت کے ساتھ آئیں ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ایک مستقل کتاب کی وسعت مانگتا ہے اور خیر القرون سے لے کر آج تک علمائے اسلام نے درود کے ورد کی اہمیت پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بانی جامعہ نظامیہ حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی معرکتہ الآراء کتاب ''انوار احمدی'' ان میں سے ایک ہے۔

اب رہا دوسرا سوال کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے فرمودہ درود شریف کی کیا خصوصیت

ہے تو حضرت پیرو مرشد حافظ سید محی الدین قادری علیہ الرحمہ نے اسکے دو جوابات دیئے ہیں:

(۱) یہ درود شریف مختصر اور جامع ہے۔ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مرتبہ پڑھا جاسکتا ہے۔

(۲) یوں تو شریعت مطہرہ میں حضورؐ کے نام مبارک کو چلتے پھرتے پڑھنے سے متعلق کوئی ممانعت نہیں آئی ہے لیکن آداب رسالت کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جس درود شریف میں سرکارِؐ دوعالم کا نام مبارک ہو اس کو چلتے پھرتے نہیں پڑھنا چاہئے کیوں کہ یہ ایک قسم کی سوءِ ادبی ہے اور سرکار کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اس بارگاہ میں ذرا سی بھی سوءِ ادبی ہو تو پروردگار عالم ناراض ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سرکارؐ کے آداب بتاتے ہوئے سورۃ حجرات میں ان تحبط اعمالکم کی دھمکی دی گئی ہے یعنی اگر تم ان کے آداب کو ملحوظ نہ رکھو گے تو تمہارے اعمال و نیکیاں ضبط کرلئے جائیں گے۔ پروردگار عالم کی شان میں جو بھی گستاخی کی جاتی ہے اگرچہ وہ بھی گستاخی ہی ہے اور قابل گرفت ہے مگر اس کی شان بے نیاز اور ذات ہر قسم کے علائق سے پاک ہے جس کی وجہ سے وہ گستاخی اس تک نہیں پہنچتی۔ برخلاف اس کے سرکار کی شان بشری میں جلوہ فرمائی ہے۔ اسی بناء پر بعض عارفوں نے کہا ہے:

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

مختصر یہ ہے کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کا ارشاد فرمودہ درود ان دونوں پہلوؤں کو لیا ہوا ہے۔ ایک تو مختصر ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ مرتبہ پڑھا جاسکتا ہے اور دوسرے سرکارؐ کا اسم مبارک اس میں نہیں مگر نبی امی کے لفظ سے وہ خصوصیت بھی ظاہر ہوجاتی ہے جو سرکارؐ کے لئے خاص ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ یہاں کوئی سوال کر بیٹھے کہ جب شرع میں اس کی اجازت دی گئی ہے تو اس کو اپنے اوپر منع کرلینا کہاں تک درست ہے؟

تو اس کا جواب صرف اتنا ہے کہ طریقت میں آداب کی بڑی اہمیت ہے۔ معاملہ صرف جواز یا عدم جواز کا نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ پاسِ ادب اور احتیاط کا ہے۔ اس کی مزید وضاحت

کے لئے اتنا عرض کرتا ہوں کہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک صحابی نے حضورؐ سے مصافحہ کرنے سے صرف اس لئے اپنے آپ کو روک لیا تھا کہ وہ حالت جناب میں تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔ دوسری طرف شواہد النبوۃ ص ۳۴۲ ملاحظہ کیجئے حضرت ابوبصیرؓ کا بیان ہے کہ میں حالت جنابت میں تھا۔ حمام میں جانے کے لئے باہر آیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سارے لوگ حضرت امام جعفر صادقؓ کی زیارت کے لئے ان کے مکان پر جارہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ جب ہم حضرت کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو آپ کی نظر مجھ پر پڑی۔ آپ نے فرمایا اے ابو بصیر! تمہیں شائد معلوم نہیں کہ پیغمبر اور ان کی آل و اولاد کی قیامگاہوں پر جنابت کی حالت میں نہیں آنا چاہئے۔ ان دونوں واقعات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شریعت کی تعلیم تھی جو عام مسلمانوں کے لئے ہے اور یہ طریقت کی تعلیم ہے جو اہل ادب کے لئے ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

آؤ کہ اہتمام کریں ہم درود کا — جس میں نہ شائبہ بھی ہو نام و نمود کا
خالق کے ساتھ ساتھ فلک پر ملائکہ — کرتے ہیں اہتمام ہمیشہ درود کا
بھیجا جو اک درود تو دس رحمتیں ملیں — احساں نہیں تو کیا ہے یہ رب ودود کا
اس پر درود ہم جو نہ بھیجیں تو حیف ہے — وہ ذات جو سبب ہے ہمارے وجود کا

الا من ارتضٰی سے یہ ظاہر ہے احمدا
عالم ہے میرا یار بھی غیب و شہود کا

باب ﴿۲﴾

پاس انفاس

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے پاس انفاس کی مختصر الفاظ میں جامع تعریف بھی ارشاد فرمادی اور اس کا طریقہ بھی بیان فرمادیا۔ الفاظ اتنے سہل اور واضح ہیں کہ اس کی مزید تشریح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں: ”ہر وقت اپنے دم پر خیال رکھو۔ جب دم اوپر آئے تو اللہ خیال کرو اور جب دم نیچے اترے تو اللہ خیال کرو۔ زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ فقط تصور کافی ہے۔ اس کو پاس انفاس کہتے ہیں۔“ گویا اپنے دم پر خیال رکھنا ہی پاس انفاس کہلاتا ہے اس طرح کہ ہر سانس میں اللہ کا خیال کریں اس میں زبان سے کہنا ضروری نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی جو لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے اللہ کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں: ”ویذکرون اللّٰہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ...... الخ“ یہاں لفظ ذکر میں تمام اقسام کے ذکر شامل ہے۔ پاس انفاس بھی ایک قسم کا ذکر ہے لیکن اس ذکر کی خصوصیت کے بارے میں حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا ہے کہ ”یہ ذکر سہل اور بے مشقت ہے۔ لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے کہیں ہو کسی حال میں ہو اس کا خیال نہ چھوڑے۔ اس کو کوئی کام بھی مانع نہیں۔ ہاں البتہ دل کے خطرات اس کو مانع ہیں۔ جب ”دل میں دوسرے خیالات آتے ہیں تو ذکر رک جاتا ہے اور جب تک ذکر جاری رہتا ہے کوئی خیال نہیں آنے پاتا۔“

جب زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ صرف تصور کافی ہے تو کسی کام میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنتا۔ دنیا کے کام چلتے رہتے ہیں اور ذکر اپنی جگہ جاری رہتا ہے۔ گویا یہ وہ عبادت ہے

جس کے لئے کسی جگہ کسی وقت یا فرصت کی شرط نہیں اور کسی مشقت کی ضرورت نہیں۔لیکن جو علت اس کی راہ میں حائل ہے وہ دل کے خطرات ہیں۔

سعادت کی راہ میں حائل ہونے والی ہر علت خواہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو اور بہشت کے راستے کو اوجھل کرنے والی ہر شئے خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو اس کا علاج فرض عین ہے اور ہر علت کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کو زائل کردیا جائے۔

چنانچہ یہ جان لینا ازبس ضروری ہے کہ دل کے خطرات کیا ہوتے ہیں اور ان کو زائل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

بحرالعلوم حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صدیقیؒ نے ''المعارف'' اور ''نظام العمل فقراء'' میں خطرات اور دفع خطرات کے بارے میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ہم یہاں اس کی تلخیص پیش کرتے ہیں:

> **''یاد رکھو! سالک جب راہ خدا میں قدم رکھتا ہے اور نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے اور ذکر و شغل کے ذریعہ تہذیب نفس کا خواہش مند ہوتا ہے تو اس کے دونوں دشمن یعنی شیطان اور نفس جو گھات میں بیٹھے اس کو راہ حق سے پھیرنے اور عمل خیر سے روکنے میں کوشاں ہوتے ہیں۔یہی خطرات ہیں۔عمر اور زندگی برباد کرنے والے یہ بے فائدہ خطرات دنیا کا بھی نقصان کرتے ہیں اور آخرت کا بھی۔''**

خطرات کی ویسے چار قسمیں ہیں لیکن یہاں جس خطرہ سے بحث ہے وہ خطرہ شیطانی ہے۔خطرہ شیطانی کا کام خدا سے بدعقیدہ بنانا' اس کی یاد سے روکنا' ایمان میں شک پیدا کرنا' طرح طرح کے وسوسے ڈالنا اور لہو ولعب میں ایسا مشغول کردیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف

توجہ نہ کر سکے۔ یہ خطرہ تا دم آخر ساتھ رہتا ہے۔ اس سے ہمیشہ جہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر چہ شریعت میں خطرات پر مواخذہ نہیں ہے لیکن اس کے نقصان رساں ہونے میں کوئی شک بھی نہیں ۔ یہ خطرات' جنہیں آدمی غیر مضر سمجھ کر دفع نہیں کرتا 'آدمی کو گناہوں سے اتنے مانوس کر دیتے ہیں کہ خطرات کو دل میں جگہ دینے والے کے لئے گناہوں سے بچنا بلسبت دوسرے کے مشکل ہوجاتا ہے ۔ اس کے علاوہ شکوک وشبہات' تضیع اوقات اور دل کی بے اطمینانی ۔ یہ تمام خطرات کے ثمرات ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ خطرہ وہ ہے جو آئے اور چلا جائے ۔ اگر گناہ کا ارادہ کرلیا جائے تو اب وہ خطرہ نہیں رہتا بلکہ عزم کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور عزم قابل معافی نہیں ہے ۔ اس لئے کوشش یہی ہونی چاہئے کہ دل میں خطرے جگہ پکڑنے ہی نہ پائیں۔

آخر ان خطرات کو کس طرح دفع کیا جاسکتا ہے؟ حضرت بحرالعلوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"دفع خطرات کے سلسلے میں ایک اہم اصول نظر بر قدم اور خلوت در انجمن ہے ۔ ہمیشہ نیچی نگاہ رکھو' ادھر ادھر نہ دیکھو' چند روز اپنی نظر کی حفاظت کرو اور دوسروں کی نظر سے بچو ۔ جب دل ایک نقطہ پر قائم ہوجائے گا حقیقت سامنے آجائے گی تو پھر کوئی چیز ضرر رساں نہ ہوگی ۔ قسم قسم کے کھانے نہ کھاؤ ۔ یہ کھانے کی رنگارنگی خیالات میں پراگندگی لاتی ہے ۔"

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے اپنے ارشادات کے بعد دفع خطرات کے لئے ان آیتوں کے ورد کرنے کا حکم دیا ہے:

(۱) ان یشا یذھبکم ویات بخلق جدید ط وما ذالک علی اللہ بعزیز ○

(۲) ھو الاول والاخر والظاھر والباطن ط وھو بکل شیٔ علیم ○

علماء نے کہا ہے کہ نماز کے درمیان بھی اگر خطرات ستانے لگیں تو یہ آیتیں پڑھی جاسکتی ہیں ۔ اس

سے نماز کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔ اس کے علاوہ دفع خطرات کے لئے اپنی حالت کو بدل دینا یعنی کھڑے ہوں تو بیٹھ جانا یا بیٹھے ہوں تو کھڑے ہو جانا اور چلنا خطرات کو دور کرنے کا مجرب طریقہ ہے۔ اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم اور لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم پڑھنے سے بھی خطرات دور ہوتے ہیں۔ بہرحال جس طریقہ سے بھی ہو خطرات کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ذکر جاری رہ سکے۔

پاس انفاس

کریں گے التزام پاس انفاس ہو اس کی اہمیت کا جن کو احساس
سبھی کے واسطے ہے بے مشقت خواص الناس ہوں یا عامۃ الناس
زباں مطلوب ہوتی ہے نہ اعضاء قلم مطلوب ہوتا ہے نہ قرطاس
نہیں مصروفیت کوئی بھی مانع سدا رہتا ہے جاری پاس انفاس
اگر کچھ اس کو مانع ہے تو احمدؔ ہیں وہ خطرے جنھیں کہتے ہیں وسواس

باب ﴿۳﴾

تصورِ شیخ

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا: ''صورتِ مرشد کا خیال (تصور شیخ) شغل برزخ کہلاتا ہے۔ یہ خدا سے ملنے کا بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ روزانہ جب چاہے اس تصور کو جمایا کرے خصوصاً مغرب کی نماز کے بعد کبھی ناغہ نہ کرے۔ جمعہ کی شب کو تو لازم سمجھے''

اب یہاں چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱) تصور کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) تصور شیخ کے جواز کی کیا دلیل ہے؟

(۳) برزخ کس کو کہتے ہیں؟

(۴) تصور شیخ کی اہمیت و افادیت کیا ہے؟

جب تک کسی چیز کی حقیقت معلوم نہ ہوگی اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا اور جب تک کسی چیز کی اہمیت و افادیت سے واقفیت نہ ہوگی آدمی اس پر عمل کرنے کی طرف راغب نہ ہوگا۔

تصور کی حقیقت: اصطلاح منطق میں ''اگر ذہن میں کوئی چیز آئے جو حکم سے بالکل خالی ہو یعنی کوئی چیز تنہا متصور ہو تو اسے تصور کہیں گے۔ اگر کئی چیزوں کا تصور ہو مگر ان میں کوئی نسبت نہ ہو تو یہ بھی تصور کہلائے گی۔'' (کما فی المرقاۃ)

بحر العلوم حضرت عبدالقدیر صدیقیؒ فرماتے ہیں کہ ''انسانی جسم پر تصور کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ لفظ کے ساتھ 'معنی' معنی کے ساتھ مصداق اور مصداق کے ساتھ خیال آتا ہے۔ شیر کے

تصور سے ہیبت ہوتی ہے' دوست کے تصور سے خوشی کا اور دشمن کے تصور سے غصہ کا جذبہ پیدا ہوگا۔" (نظام العمل فقراء)

شیخ یا شیخ الشیخ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کے اپنے خیال میں جمانے کو تصور شیخ کہتے ہیں۔

تصور شیخ کے جواز کے دلائل :۔ (۱) عن الحسن بن علیؓ قال سالت خالی هند ابی هالة وکان وصافا عن حلیة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وانا اشتهی ان یصف لی منها شیئا اتعلق به ...... الخ۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کیا۔ وہ حضورؐ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی وضاحت سے بیان کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں حضورؐ کے تصور سے وابستہ ہو جاؤں (شمائل ترمذی)۔ علامہ ملا علی قاریؒ نے "جمع الوسائل فی شرح الشمائل" میں اس حدیث کے تحت فرمایا: ای اتشبث بملک الوصف واجعله محفوظا فی خزانة خیالی یعنی" (تعلق به سے مراد ہے کہ) میں اس وصف کو مضبوطی کے ساتھ ذہن نشین کر کے اپنے خزانہ خیال میں محفوظ کرلوں۔"

اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ حضرت حسنؓ کا معمول تھا۔ شیخ الدلائل عبدالحق مہاجر مدنی "فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مولانا شاہ عبدالغنی نقشبندی کے درس حدیث میں مسجد نبویؐ میں تھا۔ جس وقت قاری نے یہ حدیث پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث تصور شیخ کی دلیل ہے۔ (بحوالہ مخزن المعارف)۔

(۲) بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث صاحب مشکوۃ نے بیان کی ہے جس میں حضرت ابن مسعودؓ حضورؐ کے الفاظ نقل کرتے ہوئے اور اپنے جمے تصور کی تصویر کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں "کانی انظر الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یحکی نبیامن الانبیاء ضربه قومه

فوموہ"۔ "گویا میں دیکھ رہا ہوں حضورؐ کی طرف کہ آپ انبیاء میں سے ایک نبی کا تذکرہ فرما رہے ہیں جنھیں ان کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا" یعنی حدیث شریف کی روایت کرتے وقت حضرت ابن مسعودؓ حضورؐ کا ایسا تصور جما رہے ہیں گویا کہ حضورؐ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کیوں کہ کانی انظر کے الفاظ سے یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے "کشف المحجوب" میں ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "شیخ کا درجہ اپنی قوم میں وہی ہوتا ہے جو نبی کا اپنی امت میں ہوتا ہے۔"

(۳) خداوند قدوس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے تحت فرمایا: **ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه** "زلیخا نے یوسف کے ساتھ ارادہ کیا اور یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کے برہان (دلیل) نہ دیکھ لیتے۔"

اب رہا یہ سوال کہ وہ برہان کیا چیز تھی جس نے ایسے نازک مرحلہ پر یوسفؑ کی دستگیری کی۔ اس کو حضرت ابن عباسؓ کی زبان سے سنئے "**مثل له يعقوب فضرب صدره فخرجت شهوته من انامله**" (تفسیر صاوی) حضرت یعقوبؑ کی صورت حضرت یوسفؑ کے سامنے ظاہر ہوئی جس نے آپ کے سینہ پر ایک ضرب لگائی تو ان کی شہوت ان کی انگلیوں کی پوروں سے نکل گئی۔"

یعقوب علیہ السلام کی صورت کا یوسف علیہ السلام کے روبرو موجود ہو کر ان کی دستگیری کرنا یہی رابطہ یا تصور شیخ ہے کیوں کہ یوسف علیہ السلام کے لئے یعقوب علیہ السلام بمنزلہ شیخ کے ہیں۔

اس آیت سے اور اس کی تفسیر سے تصور شیخ کا ثبوت اور اس کا نافع ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا اور کوئی آیت اس کو منسوخ نہیں کرتی۔ (معمولات الابرار)

فبهداهم اقتده آپ اگلے انبیاء کی سیرتوں کی پیروی کیجئے۔

تصورِ علماء و فقہاء کے نزدیک :۔ (۱) علامہ شہاب الدین خفاجیؒ مدینہ منورہ کی حاضری کے ضمن میں فرماتے ہیں "یفرض ذلک ویمثله فکانه عنده" یہ فرض کر کے کہ میں حضوری میں ہوں اور صورت مقدسہ کا ایسا تصور جمائے گویا حضور اس کے پاس ہیں ۔(نسیم الریاض)
(۲) عالمگیری میں ہے:"یقف کما یقف فی الصلوة ویمثل صورته الکریمة البهية کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه" اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضورؐ کی صورت کا تصور باندھے گویا آپؐ قبر اطہر میں آرام فرما ہیں اور اس کو جانتے ہیں اور اس کا کلام سنتے ہیں ۔(بحوالہ معمولات الابرار)
(۳) علامہ احمد بن محمدؒ فرماتے ہیں : ویمثل الزائر وجهه الکریم علیه الصلوة والتسلیم فی ذهنه ویحضر قلبه جلال رتبته وعلو منزلته و عظیم حرمته زیارت کرنے والا حضورؐ کے چہرہ کا تصور کرے اور دل میں آپ کے مرتبہ کی بزرگی اور قدر کی بلندی اور احترام عظیم کا خیال جمائے ۔(المواھب اللدنیۃ)
(۴) امام محمد ابن الحاج عبدری مکی قدس سرہٗ مدخل میں فرماتے ہیں "من لم یقدر له بزیارته صلی الله علیه وسلم بجسمه فلینوها کل وقت بقلبه ولیحضر قلبه انه حاضر بین یدیه متشفعابه الی من به علیه" جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت جسم سے نصیب نہ ہوئی وہ ہر وقت دل سے اس کی نیت رکھے اور دل میں یہ تصور جمائے کہ میں حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور حضورؐ سے اس کی بارگاہ اقدس میں شفاعت چاہ رہا ہوں جس نے حضورؐ کی امت میں داخل فرما کر مجھ پر احسان کیا ہے"(بحوالہ الیاقوتۃ الواسطۃ)
یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال ہی کے تصور کی نہیں بلکہ مزار اقدس کے تصور کی بھی اہمیت بتائی جارہی ہے ۔

حضرات صوفیہ کرام کا کوئی معمول بھی بال برابر شریعت کے مخالف نہیں لہٰذا ان بزرگوں کا تصورِ شیخ کے عمل پر اہتمام کے ساتھ عامل ہونا اور اپنے ارادت مندوں کو اس کی تلقین تاکید کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل خلاف شریعت نہیں ہے۔

بحمدہ تعالیٰ دلائل و اقوال ائمہ وعلماء اس مسئلہ میں اتنے کافی موجود ہیں کہ اگر ان کو نقل کیا جائے تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو جائے لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

برزخ:۔ کے لغوی معنی ''روک'' کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے بینھما برزخ لا یبغیان ○ اللہ تعالیٰ نے کن فرما کر تمام عالم کی تخلیق فرمائی ۔ اس کے بعد عوالم کی ابتدا ہوئی ۔ سب سے پہلے عالم اروا ہے ۔ عالم ارواح صورت اور شکل سے پاک ہے ۔ اس کے بعد عالم مثال ہے ۔ اس میں رواح کو شکل وصورت دی گئی لیکن اس میں زمانہ اور وزن نہیں ہوتا ۔ اس کے بعد عالم شہادت ہے ۔ انسان کی پیدائش کے بعد سے مرنے تک کا زمانہ عالم شہادت کہلاتا ہے ۔ اس میں صورت شکل زمانہ اور وزن ہر چیز ہوتی ہے ۔ مرنے کے بعد قیامت قائم ہونے تک کا زمانہ عالم برزخ کہلاتا ہے ۔ عالم برزخ گویا عالم آخرت کا مقدمہ ہے ۔ عالم برزخ میں نیکوں کی حالت امیدواران سرفرازی کی اور بدوں کی حالت زیر دریافت مجرموں جیسی رہتی ہے ۔ لہٰذا نیک اچھی حالت میں اور بد بری حالت میں رہتے ہیں ۔

تصور شیخ کی اہمیت و منفعت: تصور شیخ بروجہ رابطہ جسے شغل برزخ بھی کہتے ہیں شیوخ طریقت کے پاس بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ یہاں تک کہ بعضوں کے نزدیک اسی پر ارادت وسلوک کا دارومدار ہے اور مرید کی نفع رسانی میں یہ صحبت شیخ کی طرح نفع بخش ہے چنانچہ حضرت خواجہ

محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ یہ خدا سے ملنے کا بہت نزدیک کا راستہ ہے۔مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے قول سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔"اگر وہ عزیز (شیخ) غائب ہوتو اس کی صورت کو خیال میں لے کر تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو اور جو خطرہ آئے اس کو دور کرے یہاں تک کہ غیبت اور بے خودی ظاہر ہوجائے اور ایسا بار بار کرنے سے اس میں مہارت پیدا ہوجاتی ہے اور خدا تک رسائی کے لئے اس سے زیادہ نزدیک کا کوئی راستہ نہیں ہے" ("سررشتہ دولت" رسالہ جامی) مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی اس راہ کو سب راہوں سے زیادہ قریب تر بتایا ہے (بحوالہ شفاء العلیل) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "القول الجمیل" میں فرماتے ہیں "واذا غاب الشیخ عنه یتخیل صورته بین عینیه بوصف المحبة والتعظیم فتفید صورته ماتفید صحبته" جب پیر اس کے پاس نہ ہوتو اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان بطریق محبت و تعظیم خیال کرتا رہے (یعنی تصور جمائے) تو اس کی خیالی صورت وہی فائدہ دے گی جو اس کی صحبت فائدہ دیتی ہے۔

بحرالعلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقیؒ تصور کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:
"مرشد کا تصور آئے گا تو ادب اور دلجمعی پیدا کرے گا اور ان اسرار کو جو مرشد میں موجود ہیں لے کر آئے گا تو اس سے عظیم الشان فائدہ ہوگا۔مرشد عالم شہادت کا ہے عالم ناسوت کا ہے۔اس کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔اس کی صورت کا جم جانا آسان ہے۔تصور شیخ سے عالم مثال جلد کھلتا ہے۔بعض نادان تصور شیخ کو شرک' کفر خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ان نادانوں کو عبادت کے معنی بھی نہیں معلوم۔نادانوں کی سمجھ میں آئے نہ آئے ہم کو اپنا کام کرنا چاہیے۔

آئین محبت ہے عشاق کی عادت ہے
ہر ایک کی سن لینا اور دل کا کہا کرنا (نظام العمل فقرا)

امام اہل سنت علامہ احمد رضا خاں بریلویؒ فرماتے ہیں: "تصور برزخ کا جواز نہ صرف

ثابت ہے بلکہ اس کے سوا اس کے اور بھی فوائد جلیلہ ہیں:

(۱) شغل برزخ کے ساتھ ذکر کرنا اور اطلاق آیت قرآنی کے تحت داخل ہے۔

(۲) مطلق ذکر پر قرآن وحدیث میں جو عظیم ترغیبیں آئیں اسے بھی شامل ہے۔

(۳) مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور اس کا حکم اس کے جمیع مقیدات میں۔ ساری شرع میں صرف اس کی اجازت ان کی اجازت کے لئے کافی ہوگی جس کے بعد خصوصیات خاصہ کے ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔ مطلق اصول کو مطلق منطقی سمجھنا محض خطا ہے۔

(۴) نیک بات بالضمام اور صنائع خاصہ بد نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس منضم میں کوئی محدود خاص شرع سے ثابت نہ ہو۔

(۵) قائل جواز کو صرف اسی قدر بس ہے کہ یہ مقید زیر مطلق داخل ہے۔ جو ممنوع بتائے وہ مدعی ہے اور مدعی پر لازم ہے کہ وہ اپنا دعویٰ ثابت کرے یعنی منع ثابت کرے۔

اس طرح امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلویؒ نے اپنے رسالہ "الیاقوتة الواسطة" میں جملہ ۱۵ فوائد ذکر کئے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ مریدین کو ذکر حق کی بجائے تصور شیخ کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب برے خیالات وخطرات کا ہجوم ہوتا ہے تو ذکر حق میں یکسوئی حاصل نہیں ہوپاتی۔ لاکھ دفع کرنے کی کوشش کی جائے دفع نہیں ہوتے۔ انسانی فطرت کے مطابق نفس بیک وقت دو جانب توجہ مرکوز نہیں کرسکتا۔ اسی لئے دل کو ایسی طرف لگانا پڑتا ہے کہ خطرات سے توجہ ہٹے۔ پیر ومرشد چوں کہ محسوس ومحبوب ہوتا ہے اس کا خیال جلد جم جاتا ہے اس لئے پیر کا تصور جمایا جاتا ہے اور خطرات رفع ہوجاتے ہیں اور پھر جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ پیر کے خیال کو جمانے سے وہ فائدہ حاصل ہوتا ہے جو پیر کی صحبت سے ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ احرارؒ نے فقرات میں یہاں تک ارشاد فرمادیا ہے کہ "پیر کا سایہ ذکر الٰہی سے بڑھ کر ہے" اور اس قول کو حضرت علی بلگرامیؒ نے "معمولات الابرار" میں ذکر کیا ہے۔ اس کے

علاوہ تصور شیخ کے سبب مرید کا پیرومرشد سے ربط و تعلق بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے اعمال شیخ کی پیروی کا خیال ہونے لگتا ہے اور اعمال شیخ کی پیروی مرید کو ہزار جھمیلوں سے بچا کر سعادت کی راہ پر گامزن کر دیتی ہے۔

بقول حضرت کاملؒ ۔

میں نہ جانوں شریعت کی باریکیاں' معرفت اور طریقت کی سود وزیاں
ان جھمیلوں سے نسبت بچالے گئی راہ میں جب حقیقت نما مل گیا

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے "مکتوبات" میں تحریر فرمایا ہے:

"بلا تکلف تصور شیخ کا حاصل ہوجانا پیر و مرید کے درمیان کامل نسبت کی نشانی ہے جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ اور سبب ہے اور خدا تک رسائی کا کوئی راستہ اس سے زیادہ نزدیک کا نہیں۔ جو باطنی طور پر بڑا اعلیٰ دولت مند ہو اسی کو اس سعادت کی توفیق ملتی ہے۔" (جلد سوم۔ صفحہ ۱۸۷)

تاہم بلا تکلف تصور شیخ کا حاصل ہوجانا اتنا آسان نہیں۔ بالخصوص مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب خیالات کا ہجوم رہتا ہے تب تصور شیخ بے حد دشوار ہوتا ہے اس لئے ابتداءً جد وجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

عم محترم حضرت مولانا سید محمد صدیق حسینی مدظلہٗ (سجادہ نشین بارگاہ محبوب اللہؒ) نے ایک مرتبہ وعظ میں اپنا ایک تجربہ بیان فرمایا:

"میں نے ابتداء میں جب تصور جانے کی کوشش کی تو تصور جمتا نہ تھا۔ چنانچہ بابا حضرت قبلہ (یعنی پیر و مرشد حضرت سید محی الدین حسینی قدس سرہٗ) سے عرض کیا تو حضرتؒ مجھے مسجد کے حوض کے پاس لے گئے اور فرمایا "ذرا پانی میں اپنے چہرے کا عکس تو دیکھو" میں نے عکس کو دیکھا۔ اس کے بعد لکڑی سے پانی کو حرکت دی اور

پھر فرمایا ''اب دیکھو'' چوں کہ پانی متحرک تھا اس لئے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے عرض کیا ''اب تو کچھ نظر نہیں آتا تو فرمایا: دل کے آئینہ کا حال بھی کچھ اسی طرح ہے جب تک دل میں طرح طرح کے خیالات آتے رہیں گے گویا پانی متحرک رہے گا اور تصور نہ جم سکے گا۔ اس لئے پہلے خیالات کو رفع کرو پھر تصور جم جائے گا۔''

جب تک ہم اپنی آنکھ کی پتلی کو اوپر نیچے دائیں بائیں کرتے رہیں گے ہم کو کوئی چیز بھی نظر نہیں آئے گی۔ جب نظر ایک نقطہ پر قائم ہو جائے گی تب ہم کسی چیز کو دیکھ سکیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ رقم طراز ہیں کہ اگر ذکر کے وقت بھی پیر کی صورت (بے تکلف ظاہر ہو جائے تو شرک سمجھ کر دفع نہ کرو بلکہ) اس کو بھی قلب کے اندر لے جاؤ اور دل میں محفوظ رکھ کر ذکر کرو (اور یاد رکھو کہ) پیر وہ ہے کہ اس سے تم جناب باری تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ حاصل کرتے ہو اور اس راہ میں پیر کی مدد و اعانت پاتے ہو'' (مکتوبات جلد سوم مکتوب نمبر ۱۹)

مزید لکھتے ہیں کہ ''خواجہ محمد اشرف نے تصور شیخ کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غلبہ پا گئی تھی کہ وہ نمازوں میں بھی اس کو اپنا مسجود دیکھتے تھے۔ میرے دوست! یہ وہ دولت ہے کہ طالبین اس کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے کسی ایک کو شاذ ہی عطا کی جاتی ہے۔ جس کو یہ معاملہ پیش آئے وہ کامل مناسبت والا صاحب استعداد ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی محبت سے وہ اپنے شیخ کے تمام کمالات کو حاصل کرے گا۔ تصور شیخ کو دفع نہ کرو کہ یہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ نہیں۔ بہر حال اس قسم کی دولت سعادت مندوں کا حصہ ہے کہ وہ تمام حالتوں میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ جانتے ہیں اور تمام اوقات میں اسی طرف متوجہ رہتے ہیں۔''
(مکتوبات۔ جلد ششم۔ مکتوب نمبر ۳۰۔ دفتر دوم۔ مطبوعہ امرتسر)

الغرض جب تصور شیخ حاصل ہو جاتا ہے تو عجیب و غریب تماشے دکھائی دیتے ہیں۔ بے صورت کی صورت سامنے آ جاتی ہے۔ عالم مثال کھل جاتا ہے۔ خیال اور قوی ہوتا ہے تو یہ

سمجھنے لگتا ہے کہ میں شیخ کی صورت میں ہوں۔ جب یہ خیال کامل ہوجاتا ہے تو مرید کی صورت و شکل میں شیخ کی جھلک معلوم ہونے لگتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی یہ چیز محسوس کرنے لگتے ہیں۔ آواز بھی ملتی جلتی ہوجاتی ہے اور چال ڈھال میں بھی شیخ کا انداز آ جاتا ہے۔

جس کو دیکھوں وہ دیوانہ ہووے سب کو دھوکا ترا مجھ پہ ہووے

میری مستی میں اتنا اثر دے تیری مست نگاہوں کے صدقے (حضرت ناطق)

''مظہر انوار'' میں مذکور ہے کہ جناب شاہ خواجہ خاں صاحبؒ جو حضرت یحییٰ پادشاہ قبلہ علیہ الرحمہ کے مرید و خلیفہ تھے ہمیشہ تصور شیخ میں رہتے تھے۔ نتیجتاً صورت شکل میں بالکل مختلف ہونے کے باوجود حضرت یحییٰ پادشاہ قبلہؒ کی بہت شباہت ان میں آ گئی تھی۔ (اکثر اصحاب کو ان پر حضرت کا دھوکا ہوتا تھا)

گلدستہ تجلیات صفحہ ۲۸۶ میں حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کی شاعری کے زیر عنوان مضمون میں حضرت مولانا سید محمد صدیق محمودیؒ نے ایک شعر کی تشریح کے تحت لکھا ہے کہ تصور شیخ ہی سالک کے لئے سب سے پہلا زینہ ہے۔ جب توبہ وتقویٰ سے آئینہ دل کا زنگ دور ہوجاتا ہے تو تصور شیخ ہی اس میں جلا پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ آنکھوں سے اوجھل اور اس عالم کی چیزیں دیکھنے لگتا ہے اور اس کیفیت کے کھلنے کے بعد ہی اس پر تصور شیخ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ جب کسی سالک پر یہ کھل جائے تو کیوں نہ بے اختیار زبان سے نکل جائے ؎

آفریں اے تصور رخ یار

سینہ ام شکل آئینہ کردی (حضرت خواجہ محبوب اللہؒ)

باب ﴿۴﴾

کبائر و صغائر

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے پاس انفاس اور تصور شیخ پر مداومت کی تاکید کرنے کے بعد فرمایا کہ "یہ سب باتیں یعنی ذکر کا جاری رہنا' برزخ کا جمنا' خدا کی طرف توجہ کامل ہونا اور دنیا سے بے التفات ہونا جب ہی ہوتا ہے کہ آدمی کبیرہ گناہوں سے اور صغیرہ سے بھی جس قدر ہو سکے بچے۔"

ویسے تو ہر وہ عمل جس سے شریعت نے منع کیا ہو گناہ ہے لیکن ان میں مختلف درجات ہیں۔ جن پر صرف کراہیت کا اظہار کیا گیا وہ مکروہ کہلاتے ہیں۔ پھر مکروہات کی بھی دو قسمیں ہیں:

مکروہ تنزیہی: مکروہ تنزیہی وہ ہے کہ جس کی ممانعت شفقتاً یا ادباً ہو۔ اس سے پرہیز کرنے والا ثواب حاصل کرے گا۔

مکروہ تحریمی: مکروہ تحریمی وہ ہے کہ جس کی ممانعت دلیل ظنی سے وجوباً ثابت ہو۔ اس سے بچنے والے کو ثواب ملے گا۔ کرنے والا والے پر عتاب ہوگا۔ صغیرہ گناہوں کی اصل تعداد کا کسی کو علم نہیں مگر اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ کبیرہ گناہ کے سوا جتنے بھی گناہ ہیں سب صغیرہ ہیں۔ کبیرہ گناہ وہ ہے کہ جس کی ممانعت دلیل قطعی سے وجوباً ثابت ہو۔ اس سے بچنے والا ثواب پائے گا۔ کرنے والا عذاب کا مستحق ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ اسی کو حرام بھی کہتے ہیں۔ کبیرہ گناہ کی تعداد میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف ہے۔ کبیرہ گناہ بعض نے سات کہے ہیں' بعض نے ستر بتائے ہیں۔ حضرت ابو طالب مکیؒ نے اپنی کتاب "قوت القلوب" میں احادیث و

قول صحابہ کو یکجا کر کے جو کبائر گنوائے ہیں ان میں سے چار کا تعلق دل سے ہے ۔(۱) کفروشرک (۲) صغیرہ گناہ پر اصرار(۳) یاس یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا (۴) خوف خدا سے بے نیاز ہوجانا چار کا تعلق زبان سے ہے: (۱) جھوٹی گواہی دینا کہ جس سے کسی کا حق چھین لیا جائے (یا کسی بے قصور کو مورد الزام ٹھہرلیا جائے) (۲) کسی پر زنا کی تہمت لگانا کہ جس سے حد شرع قائم ہوجائے (۳) جھوٹی قسم کھانا کہ جس سے کسی کا حق ضائع ہوجائے (۴) جادو اور سحر۔

تین گناہ پیٹ سے متعلق ہیں (۱) شراب یا نشہ و مستی پیدا کرنے والی کسی بھی شئے کا استعمال (۲) یتیم کا مال کھانا (۳) سود کھانا ۔ دو گناہ شرم گاہ سے متعلق ہیں (۱) زنا (۲) اغلام بازی[1]

دو گناہ ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں (۱) قتل اور خودکشی (۲) چوری جس سے حد شرع لازم آئے۔

ایک کا تعلق پاؤں سے ہے (۱) کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ جانا (البتہ کافروں کی تعداد اگر دوگنی سے بھی زیادہ ہوتو ایسے میں بھاگ جانا درست ہے) ایک گناہ تمام بدن سے ہوتا ہے (۱) ماں باپ کو تکلیف دینا (یا رنج پہنچانا) بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوئی گناہ بھی صغیرہ نہیں بلکہ جس میں ''امر الٰہی کی مخالفت ہو وہ کبیرہ گناہ ہے'' لیکن یہ قول قطعاً قابل قبول نہیں اس لئے کہ گناہ صغیرہ کا وجود قرآن سے ثابت ہے:

''ان تجتنبوا ماتنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم '' (النساء)

(اگر تم گناہ کبیرہ سے بچو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری غلطیوں کا ہم کفارہ کریں گے) یہاں سیئات سے مراد صغیرہ گناہ ہی ہیں ۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الصلوة الخمس والجمعة الى الجمعة يكفرن مابينهن ان اجتنب الكبائر پانچوں نمازیں اور جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ان گناہوں کا جو ان کے درمیان ہو کفارہ ہوں گے ۔ اگر گناہ کبیرہ سے اجتناب کیا جائے (رواہ مسلم)۔

---

[1] مخفی مبادکہ بعض علماء نے اغلام بازی کو لواطت اور اغلام باز کو لوطی کہنے سے سخت منع کیا ہے کیونکہ یہ ایک بدترین فعل ہے اور لوط نبی اللہ کا نام ہے ۔ ایک بدترین فعل کو نبی کے نام سے منسوب کردینا محض اس لئے کہ اس کا آغاز قوم لوط نے کیا تھا انتہا درجہ کی گستاخی ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے لئے فرض نمازوں کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ تاہم جو لوگ باری تعالیٰ کی رضا کے مشتاق ہوتے ہیں وہ صغیرہ گناہوں سے بھی ویسے ہی بچتے ہیں جیسا کہ کبیرہ سے بچا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اسباب ایسے بھی ہیں جو صغیرہ گناہوں کو کبیرہ بنا دیتے ہیں اور پھر اس کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ ایسے اسباب امام غزالیؒ نے چھ بتائے ہیں:

پہلا سبب یہ ہے کہ آدمی صغیرہ گناہ پر ہٹ دھرمی کرے یعنی صغیرہ گناہوں کی عادت بنا لے یا کھیل دل لگی سمجھ کر ہمیشہ کرتا رہے اس لئے کہ جو گناہ ہمیشہ ہوتے ہیں وہ دل کو تاریک بنا دیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے پانی کا قطرہ جو اک کمزور شئے ہے لیکن مسلسل کسی پتھر پر ٹپکتا رہے تو خواہی نخواہی سوراخ کر دے گا حالانکہ پتھر بہت مضبوط شئے ہے۔ پس جو صغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو اسے استغفار سے علاج جاری رکھنا چاہئے' نادم و پشیمان ہونا چاہئے اور اس سے بچنے کی جس قدر ہو سکے کوشش کرنی چاہئے۔

دردمندانِ گنہ را روز و شب ۔۔۔ شربتے بہتر ز استغفار نیست

(گناہ کے مریضوں کے لئے صبح و شام استغفار سے اچھا کوئی شربت نہیں ہے)

حتیٰ کہ اہل اللہ نے کہا کہ کبیرہ گناہ استغفار سے صغیرہ ہو جاتا ہے اور صغیرہ گناہ ہٹ دھرمی سے کبیرہ۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی گناہ کو حقیر جانے یعنی معمولی بات تصور کرے۔ چاہیے تو یہ کہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بڑا تصور کرے۔ بزرگانِ سلف اپنی ان معمولی لغزشوں کو بھی گناہ تصور کرتے تھے جو عام مسلمانوں کے نزدیک گناہ ہی نہیں ہوتے اور یوں اپنے آپ کو بہت بڑا گناہ گار مانتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان اپنے گناہ کو اپنے حق میں پہاڑ سمجھ کر کر ڈرتا ہے کہ کہیں مجھ پر پھٹ نہ پڑے اور منافق گناہ کو مکھی سمجھتا ہے جو اس کے جسم پر بیٹھتی ہے اور اڑ جاتی ہے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے کام کرتے ہو جن کو میں پہاڑ برابر جانتا ہوں

اورتم بال برابر سمجھتے ہو۔ الغرض گناہوں میں اللہ تعالیٰ کا غصہ پوشیدہ ہے اس لئے کسی گناہ کو حقیر مت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وتحسبونه هينا وهو عندالله عظيم (النور)

(تم اسے ہلکا گمان کرتے ہو اور وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے)

تیسرا سبب یہ ہے کہ آدمی گناہ کے سبب خوش ہو اس پر فخر کرے، شیخی وتعلی کا مظاہرہ کرے کہ میں نے فلاں کو فریب دے دیا۔ شان سے کہے کہ میں نے ایسا جھوٹ بولا ہے کہ فلاں نے میری باتوں پر یقین کر لیا۔ میں نے فلاں کو زبردست گالیاں دے دیں۔ جو شخص اپنی ہلاکت وتباہی پر خوش ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کا دل سیاہ ہو گیا ہے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کی پردہ پوشی کرے اور آدمی یہ سمجھ کر کہ میرے اوپر عنایت ہے اس بات سے نہ ڈرے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہو اور میرے لئے آسانی کی ہو کہ میں بالکل تباہ اور ہلاک نہ ہو جاؤں۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ اپنے گناہ کو ظاہر کر دے اس طرح کہ اور لوگ بھی اس کے نقش قدم پر چلیں۔ اور اگر کسی کو صریحاً ترغیب دی یعنی لوگوں کو بھی گناہ پر اکسایا یا گناہ کے اسباب مہیا کرے تو اس پر دوہرا وبال ہو گا۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ عالم یا واعظ ہو کر گناہ کرے۔ اس سے اور لوگوں کے دلیر ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ بات اگر بری ہوتی تو فلاں عالم کیوں کرتا؟ اس طرح اس کی اندھی تقلید میں جتنے لوگ گناہ کریں گے سبھی کی تباہی کا وبال اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اس لئے اسلاف نے کہا ہے کہ جس کے مرنے کے ساتھ اس کے گناہ بھی مر گئے تو وہ نیک بخت ہے اور ایسے کم بخت بھی ہوتے ہیں کہ ان کے ہزار برس بعد تک ان کے گناہ باقی رہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اس لئے علماء، واعظین، اساتذہ اور شیوخ بہت بڑے خطرات

کا شکار رہیں۔ دوسروں کی بہ نسبت ان کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ تو تھے اسباب جو صغائر کو کبائر بنادیتے ہیں مگر کچھ اسباب ایسے بھی ہیں جو کبائر کو صغائر ہی نہیں بلکہ ان کا کفارہ بنادیتے ہیں۔ ان میں توبہ' ندامت' ترک گناہ کا عہد' عذاب کا خوف اور معافی کی امید شامل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کفارۃ المذنب ندامۃ" (گناہوں کا کفارہ ندامت ہے)(احمد بیہقی)۔ ندامت و پشیمانی توبہ کی بنیاد ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ توبہ کرنے والا ہمیشہ افسوس میں مبتلا رہے۔ گریہ وزاری کرے اور تضرع اس کا مشغلہ بن جائے کیونکہ گناہوں کے سبب آدمی کے دل میں جو زنگ لگ جاتا ہے اور جو تاریکی چھا جاتی ہے' حسرت وندامت کی آگ کے سوا کوئی چیز اسے دور نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی لوگوں کو توبہ کا حکم دیا ہے:

"توبو الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون" (نور)

(اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاسکو۔)

حدیث شریف میں ہے "التائب من الذنب کمن لاذنب لہ" توبہ سے گناہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں (توبہ کی فضیلت کا تفصیلی بیان علیحدہ باب کے تحت آئے گا۔)

یہاں ایک بات اور ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الدواوین ثلثۃ دیوان یغفر ودیوان لایغفر ودیوان لایترک" (احمد و حاکم)۔ نامہ اعمال کی تین قسمیں ہیں۔ ایک بخشا جائے گا' ایک نہ بخشا جائے گا اور ایک نہ چھوڑا جائے گا۔

گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو اور دوسرا وہ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہو۔ جو گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہیں جیسے ترک نماز و روزہ وغیرہ تو

ان کی قضا، توبہ اور کثرت عبادت سے تلافی ممکن ہے بلکہ دنیا میں پہنچنے والی ہر مصیبت و تکلیف کو بخوشی سہہ لینا بھی گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ رہ گئے بندوں کے حقوق تو آدمی کو چاہیئے کہ ہر ایک کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرے تاکہ اس پر کسی کا حق باقی نہ رہے۔ کسی کو رنج پہنچایا ہو، کسی کی غیبت کی ہو تو اس سے معافی چاہ لے۔ اگر کسی کا قتل کیا ہو تو اپنے آپ کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دے تاکہ وہ قصاص لیں یا معاف کر دیں۔ کسی کا قرض ہو تو اسے تلاش کر کے دیدے اور اگر وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو دے۔ بہرحال کوشش یہ کرے کہ کسی بندہ کا حق باقی نہ رہے۔

نامہ اعمال کی جو تین قسمیں بیان کی گئی ہیں اس میں پہلا نامہ جو بخشا جائے گا وہ انہی گناہوں کا ہے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں۔ دوسرا نامہ جو نہیں بخشا جائے گا وہ کفار و مشرکین کا ہے اور تیسرا نامہ جو نہیں چھوڑا جائے گا وہ ان گناہوں کا ہے جو حقوق العباد سے متعلق ہے۔ چنانچہ ایسے گناہوں کے کفارہ کے لئے بندہ کو راضی کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ﴿۶﴾

تکبر و خود پسندی

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا: ''تکبر سب سے بڑا گناہ ہے۔ اپنے آپ کو اچھا سمجھنا حماقت ہے۔ اس سے عمل ناچیز ہو جاتے ہیں۔''

تکبر سب سے بڑا گناہ کیوں ہے؟...... تو جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فیھا قصمته۔ کہ کبریائی میری چادر ہے عظمت میرا ازار ہے۔ جو شخص دونوں میں مجھ سے نزاع کرے گا اس کو توڑ کر رکھ دوں گا (مسلم ابوداؤد بروایت ابو ہریرہؓ)

تکبر کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے مقابلہ میں آنے کے مترادف ہے کیونکہ بڑائی کا حقیقی مستحق وہی ہے اور یہ اسی کو زیب دیتی ہے۔

تکبر وہ واحد گناہ ہے جو تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلے سرزد ہوا۔ ابلیس جو کبھی ''معلم الملکوت'' ہوا کرتا تھا' عبادات و ریاضات کی کثرت کی وجہ سے مختلف آسمانوں میں مختلف ناموں جیسے عابد' ساجد' راکع وغیرہ سے یاد کیا جاتا تھا' تکبر ہی کے سبب ملعون ہو کر راندہ درگاہ ہوا۔

حضرت یحییٰ پاشاہ قبلہؒ نے ارشاد فرمایا ''تکبر بدترین گناہ ہے اور فقیری کا سب سے بڑا گہن ہے۔ اس کی وجہ ''انا خیر منه'' سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے (یعنی شیطان نے کہا تھا ''انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین'' میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم مٹی سے) اور جو حشر اس صدا کے بلند کرنے والے کا ہوا (یعنی شیطان کا)

وہی اس سے نسبت پیدا کرنے والا کا ہوتا ہے۔

کذلک یطبع اللّٰہ علی کل قلب متکبر جبار (مومن)

اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کردیتے ہیں ہر تکبر کرنے والے اور سرکش کے دل پر۔

وخاب کل جبار عنید (ابراہیم)

اورنا مراد ہوا سرکش اور ضد کرنے والا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر "جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (رواہ مسلم بروایت ابن مسعودؓ)

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ آدمیوں جیسی صورت کی چیونٹیاں بن کر اٹھیں گے اور لوگ ان کو پاؤں تلے روندیں گے۔ ہر طرح کی ذلت ان پر سوار ہوگی۔ پھر جہنم کے قید خانہ میں جس کو بولس کہتے ہیں ڈال دیئے جائیں گے۔

"کیمیائے سعادت" میں ایک حدیث شریف نقل کی گئی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دوزخ میں ہب ہب نامی ایک غار ہے جو متکبر اور سرکش لوگوں کے لئے مخصوص ہے اور اس میں صرف انہی کو ڈالا جائے گا۔"

"احیاء العلوم" میں دو حدیثیں منقول ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(۱) لاینظر اللّٰہ الی رجل یجر ازارہ بطرا۔

جو شخص فخر سے تہبند لٹکائے چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر ہی نہیں فرماتا۔

(۲) جو شخص نخوت کی چال چلے اور اپ آپ کو بڑا تصور کرے اسے حق تعالیٰ کی چشم غضب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے صاحبزادے کو دیکھا جو کبر و ناز سے چل رہے تھے۔ آواز دی اور کہا "جانتا بھی ہے کہ تو ہے کون؟

تیری ماں کو تیرے باپ نے دوسو درھم کے عوض خرید لیا تھا اور خود تیرے باپ کی یہ کیفیت ہے کہ اس جیسے گھٹیا درجے کے لوگ مسلمانوں میں جتنے بھی کم ہوں اتنا ہی اچھا ہے۔'' (اللہ اکبر' یہ ہے انتہا کی تواضع وانکسار)۔

حضرت یحیٰی بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ شریف آدمی جب تقویٰ اور نیکی کا مقام حاصل کرتا ہے تو عجز وانکسار اختیار کر لیتا ہے اور کمینہ آدمی نیکی کے راستہ پر چلنے لگتا ہے تو متکبر ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ بندہ جب تک کسی کو اپنے سے کمتر تصور کرتا ہے تو متکبر رہتا ہے۔

تکبر ایسی بد اخلاقی ہے جو ابتداء میں خود پسندی کی شکل میں شروع ہوتی ہے۔ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے افضل تصور کرتا ہے اور اس میں ایسا مست و بے خود ہو جاتا ہے کہ اندر ہی اندر خوشی سے پھولوں نہیں سماتا۔ یہی خود پسندی تکبر کو جنم دیتی ہے۔ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے تکبر کے ساتھ ہی خود پسندی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے عمل ناچیز ہو جاتے ہیں۔ اس قول کی تائید حضرت سلمانؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے۔ ''وہ چیز جس کے لئے عبادت بھی کام نہیں دیتی اس کا نام تکبر ہے۔''

تکبر ایک ایسی مذموم ومسموم ہوا ہے کہ جس کے اندر بھی پیدا ہو جائے وہ دنیا جہاں کو اپنے سامنے گھٹیا سمجھنے لگتا ہے اور جس کسی پر اس کی نظر پڑ جائے اسے نوکر یا حقیر خادم خیال کرتا ہے اور ایسے میں عموماً ایسے الفاظ زبان سے نکلتے ہیں جاؤ جاؤ تمہاری حقیقت کیا ہے۔ تم میرے سامنے لونڈے ہو۔ کیا تم نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی ہے۔ مجھ سے تنازعہ مول لوگے تو تباہ ہو جاؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

یہ بھی اہل تکبر کی نشانی ہے کہ ان کے دل اسی چیز کے طالب رہتے ہیں کہ انھیں بٹھائیں تو سب سے اوپر' ملیں تو ادب واحترام سے' دیکھیں تو تعظیم سے' بلائیں تو القاب کے ساتھ۔ انہیں اگر نصیحت کی جائے تو اسے ٹھکرا دیتے ہیں اور ہرگز قبول نہیں کرتے بلکہ بعض

اوقات جواباً کہتے ہیں ''تمہیں دیکھو اور مجھے نصیحت کرنا دیکھو'' اور اگر خود کسی کو نصیحت کرنے لگیں تو دھوفس کے ساتھ اس کو منوانے کی کوشش کرتے ہیں خواہ کام کی بات ہو یا نہ ہو۔

حضور ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! تکبر کیا ہے؟ تو فرمایا ''تکبر یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن خم نہ کرے اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھے'' یہ دونوں باتیں حق تعالیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے اور انہی سے تمام بداخلاقیاں جنم لیتی ہیں۔

ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ اگر تجھے جنت کی بو سونگھنے کا اشتیاق ہے تو اپنے آپ کو لوگوں سے کم درجہ تصور کر، کہ اس کے بغیر اس بو کا گزر بھی تجھ تک نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام غزالیؒ نے تکبر کے سات سبب بیان فرمائے ہیں:

پہلا سبب علم میں تکبر سے متعلق ہے۔ علم کے جہاں بہت سارے فوائد ہیں وہیں اس کی آفت یہ ہے کہ عالم بہت جلد تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو علم سے آراستہ دیکھتا ہے تو دوسروں کو جانور سمجھنے لگتا ہے اور پھر لوگوں سے خدمت مراعات اور تعظیم وتوقیر کی امید کرنے لگتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہماری طرح قرآن کون پڑھتا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اسے کون جانتا ہے؟ پھر فرمایا (اگر چہ) یہ لوگ میری امت ہی میں ہیں مگر سب دوزخی ہیں۔

دوسری سبب زہد وعبادت میں تکبر ہے کیونکہ عابد، زاہد، صوفی اور پارسا لوگ بالعموم تکبر سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کو اپنی نیکی اور کسب پر ناز ہوتا ہے اور دوسروں کو چشم حقارت سے دیکھتے ہیں اور اپنے عمل ہی کو باعث نجات سمجھتے ہیں جب کہ حق یہ ہے کہ ؎

اعمال بھلے ہی اچھے ہوں اس سے نہ امید بخشش ہے

ہاں یہ ہے کلید فضلِ خدا اور فضل کلیدِ بخشش ہے (احمد حنبلی)

حسن عمل باعث نجات نہیں ہوتا بلکہ یہ فضل خدا کے دروازے کھلنے کا سبب ہے۔ اگر فضل ہوتو بخشش ہوتی ہے اس لئے عمل کے بعد فضل وکرم کا متمنی ہونا چاہئے نہ کہ فخر و ناز کے ذریعہ اپنے عمل کو رایگاں کردے۔

فضل ہوا تو چھوٹ گئے عدل ہوا تو لٹ گئے

بات کرم کی اور ہے عیب و ہنر کی بات اور (حضرت کاملؒ)

بنی اسرائیل میں ایک صاحب تھے جن سے بڑھ کر کوئی عابد نہیں تھا جب کہ ایک دوسرا شخص تھا جس سے بڑھ کر کوئی فاسق نہیں تھا۔ ایک مرتبہ بادل کے ایک ٹکڑے نے اس عابد کے سر پر سایہ کرلیا۔ فاسق نے کہا میں بھی اس کے پاس جا کے بیٹھوں کہ شائد اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم کردے۔ وہ جا کر بیٹھا تو عابد نے حقارت آمیز لہجہ سے کہا کہ یہ کون ہے جو یہاں آ کر بیٹھ گیا۔ یہ تو فاسق و بدکار ہے۔ اسے اٹھا دیا اور بے چارہ اٹھ کر جانے لگا تو بادل کا وہ ٹکڑا جو اب تک عابد کے سر پر سایہ فگن تھا اس کے ساتھ ہوگیا۔ اس دور کے رسول کے پاس وحی آئی کہ فاسق و عابد دونوں سے کہہ دو کہ نئے سرے سے عمل شروع کرے کیونکہ فاسق کے گناہ اس کے ایمان کے سبب بخش دیئے گئے ہیں اور عابد کی عبادت اس کے تکبر کے سبب چھین لی گئی ہے۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے اس ارشاد کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنا حماقت ہے۔ اس سے عمل ناچیز ہوجاتے ہیں۔

علماء و عابدین کے لئے تکبر بڑی مصیبت ہے۔ ان میں بھی متکبرین مختلف انداز کے ہوتے ہیں۔ بعض تو وہ ہوتے ہیں جو علانیہ اپنی زبان سے تکبر کا اظہار کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ صاحب دل اور صاحب کرامت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اپنی نیکی اور اپنی علمیت کی دھونس جماتے پھرتے ہیں۔ نیکی کا انداز بھی نت نئے طریقوں سے ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھ

پر افسوس ہے کہ میں آج شب بیداری اور نماز تہجد سے محروم رہ گیا۔ بظاہر تو یہ جملہ کوتاہی کا اعتراف لگتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنے تہجد گزار ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں تو فلاں اس کے استاذ کے علم کی بھی میرے علم کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں پر جو مصیبت آئی وہ میرے ساتھ دشمنی مول لینے یا میری شان میں گستاخی کرنے کا نتیجہ ہے یہ اور اس طرح کی تمام باتیں بلاشبہ کہنے والے کے متکبر و مغرور ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے قول و فعل سے تکبر ظاہر تو نہیں ہونے دیتے مگر ان کے باطن میں تکبر ضرور ہوتا ہے بلکہ بعض وقت تو عاجزی و فروتنی کا اظہار کرتے ہیں تاکہ اسی اظہار عاجزی کے سبب لوگ انہیں نیک تصور کریں۔

لوگوں میں اپنے آپ کو عاجز مزاج ثابت کر دینا انسان کو تکبر سے پاک نہیں کرتا۔ عاجز صرف وہی ہے جو اپنے ظاہر و باطن دونوں کو تکبر سے دور رکھے۔ تیسرا سبب نسب کی وجہ سے تکبر ہے کہ فلاں کا بیٹا ہوں یا فلاں گھرانے سے میرا تعلق ہے۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ محض حسن نسب کی وجہ سے قیامت کے روز بخشش نہیں ہونے والی۔ ماں باپ کی نیکی سے بچوں پر اللہ کا کرم ضرور ہوتا ہے لیکن محض ماں باپ کی نیکی اولاد کو بری الذمہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے نسب پر اترانا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

چوتھا سبب حسن و جمال کی وجہ سے تکبر ہے۔ یہ عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا کسی سے جھگڑا ہو گیا تو میں نے اس کو کہہ دیا "او حبشی بچے!" تو حضور ﷺ نے فرمایا "یا اباذر! طف الصاع طف الصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل" اے ابوذر! آپے سے باہر نہ ہو۔ کسی گورے کا بچہ کسی کالے کے بچے پر فضیلت نہیں رکھتا۔" اس پر ابوذرؓ نے کفارہ کے طور پر اس بچہ کا پاؤں اپنے منہ پر رکھوایا (صحیحین)
یہ تھا صحابہ کرام کا خوف اور تقویٰ۔ وہ اس طرح اللہ اور رسول کی ناراضگی سے خائف رہتے تھے۔ غور کیجئے کہ ابوذرؓ نے کوئی بری بات نہ کہی تھی اور نہ ہی جھوٹ کہا تھا۔ حبشی کو حبشی کہا تھا لیکن چونکہ

اس میں حقارت کا پہلو تھا اس لئے رحمت عالم ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ آپ کو اپنے اصحاب میں تکبر تو درکنار، تکبر کا شائبہ بھی دیکھنا گوارا نہ تھا۔

تکبر کا پانچواں سبب تونگری ہے یعنی مال و دولت پر فخر کرنا۔ مالدار آدمی تونگری کو بڑی چیز اور مفلسی و غربت کو حقیر سمجھتا ہے اس لئے مال و دولت کی کثرت پر اتراتا ہے۔ قارون کا تکبر بھی اسی قبیل سے تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں مفلسی کو تونگری پر فضیلت دی گئی ہے۔

چھٹا سبب جسمانی زور و قوت ہے۔ اس سے آدمی کمزور لوگوں پر تکبر کرتا ہے۔

ساتواں سبب تابعداروں، نوکروں چاکروں، شاگردوں، غلاموں اور مریدوں کی کثرت ہے۔ الغرض آدمی جس چیز کو اپنے حق میں نعمت سمجھتا ہے اس کے سبب فخر و تکبر کرتا ہے۔ اگرچہ وہ فی الحقیقت نعمت ہی نہ ہو۔ تکبر سے عداوت، حسد، ریاء اور دوسری بہت ساری برائیاں جنم لینے لگتی ہیں اس لئے اس کو سب سے بڑا گناہ فرمایا گیا ہے۔

علاج تکبر: اسباب تکبر کے بیان کے بعد علاج کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ نے تکبر کے علاج کے دو طریقے بتائے ہیں۔ پہلا علاج علم و عمل کے معجون سے مرکب ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پہچانے کہ مجھ سے زیادہ کوئی ذلیل و خوار اور حقیر و کمتر نہیں۔ ایک منٹ کے لئے بھی نظام جسم درہم برہم ہو تو انسان دگرگوں ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچانے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کبریائی و عظمت اللہ کے سوا کسی کو سزاوار نہیں۔ یہ ایسا علاج ہے جو تکبر کی جان لیوا بیماری کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔ یہ بھی سوچنے والی بات ہے کہ حبیب خدا ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے مختار دو جہاں بنایا وہ فخر کرنے سے گریز فرمایا کرتے تھے تو ہم کیا ہماری حقیقت کیا؟ ؎

مختار دو عالمؐ جب اترانے سے کترائے مجبور محض بندہ کس برتے پہ اترائے

انسان کیا ہے؟...... اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی:

هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا (الدھر)

بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گذرا کہ کہیں اس کا نام (ونشان) بھی نہ رہا۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا (الدھر)
بے شک ہم نے آدمی کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا کہ وہ اسے جانچیں (مکلف کر کے اپنے امر ونہی سے) پھر اسے سننے والا اور دیکھنے والا کیا۔

ومن اٰیاته ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون (روم)
اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم آدمی ہو کر منتشر ہوئے۔

اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا جو ایک حقیر چیز ہے پھر نطفہ اور علقہ پیدا کیا یعنی گندا پانی اور پلید خون سے اس کی آفرینش ہوئی۔ اس کے بعد بھی انسان گوشت کا ایک ٹکڑا تھا اس میں نہ سماعت تھی نہ بصارت نہ قوت وحرکت۔ اب انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ اسے تکبر زیب دیتا ہے یا اپنی اصلیت کو دیکھ کر اپنے آپ سے عار آنے لگتی ہے۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو نیک عالم ہرگز تصور نہ کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وفوق کل ذی علم علیم" (اور ہر علم رکھنے والے پر زیادہ علم رکھنے والا موجود ہے)۔ اور یہ بھی جان لیں کہ کون اللہ کے نزدیک کتنا مکرم ہے کوئی نہیں جانتا۔ ظاہری وضع قطع سے کسی کا متقی یا فاسق ہونا ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمیشہ اپنے گناہوں کو یاد رکھیں اور اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا گنہگار مجرم تصور کرے۔ اس کے بغیر تکبر کے مہلک مرض سے خلاصی پانا ممکن نہیں۔
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہلاکت دو چیزوں میں ہے:

(۱) عجب یعنی خود پسندی (۲) یاس یعنی مایوسی

آدمی اگر ہر وقت اس بات کا یقین رکھے کہ جو کچھ نعمتیں اس کو حاصل ہیں وہ خدا کی دی ہوئی ہیں اور دینے والا جب دے سکتا ہے تو کسی بھی وقت چھین بھی سکتا ہے تب کبھی خود پسندی کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ﴿۶﴾

اکلِ حلال

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا! ''جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ حلال روزی باعث خیر ہے اور لقمہ حرام موجب فساد۔ ایک (حرام طریقہ سے کمائے ہوئے) پیسہ کے عوض کئی مقبول نمازیں برباد ہو جاتی ہیں۔''

حضرت محبوب اللہؒ کا یہ ارشاد اس حدیث شریف سے مستفاد ہے کہ حضور انور ﷺ نے حضرت سعدؓ سے ارشاد فرمایا ''اے سعد! حلال کا کھانا کھا' تیری دعائیں قبول ہوں گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے' جب آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے تو اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جو بندہ حرام سے اپنا گوشت بڑھاتا ہے آگ اس کے بہت قریب ہو جاتی ہے'' (طبرانی)۔ اور فرمایا ''رزقِ حلال تلاش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے (طبرانی)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات و عملوا صالحاً (المومنون۔ آیت ۵۱)

اے پیغمبرو! (تم اور تمہاری امتیں) حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

یا ایھا الذین امنو کلوا من الطیبات مارزقنٰکم

اے ایمان والو! حلال چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں سرفراز کی ہیں۔

حضرت ابن خزیمہؒ اور حضرت ابن حبانؒ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ جس نے حرام مال جمع کیا' پھر اسے صدقہ کر دیا اسے کوئی اجر نہیں ملے گا اور (الٹا) اس کا گناہ اس پر رہے گا (حاکم)۔ اور پھر

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: "من اکل الحلال اربعین یوما نور الله قلبه واجری ینابیه الحکمة من قلبه علی لسانة" جو شخص چالیس روز تک حلال کی روزی کھاتا رہے (جس میں حرام کی ذرہ بھر آمیزش نہ ہو) حق تعالیٰ اس کے دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری کر دیتا ہے (ابونعیم وابن عدی بروایت ابی موسیٰ)۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حدیث کا نصف آخر یوں ہے کہ "زهده الله فی الدنیا" یعنی اس کا دل دنیا کی دوستی سے بیزار ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رب اشعث غیر مشروفی الاسفار مطعمه حرام و مکسبه حرام و غذی بالحرام یرفع یدیه فیقول یارب یارب فانی یستجاب لذالک کتنے ہی ژولیدہ منہ غبار آلود سفروں میں پریشان لوگ ہیں کہ کھاتے بھی حرام ہیں اور کماتے بھی حرام ہیں اور حرام سے ہی پرورش پاتے ہیں اور اس کے باوجود ہاتھ اٹھا اٹھا کر یارب یارب کہتے ہیں (یعنی دعائیں مانگا کرتے ہیں)۔ ان کی دعائیں آخر کس طرح قبول ہوسکتی ہیں (مسلم بروایت ابوھریرہؓ) اور فرمایا "کل لحم ینبت من حرام فالنار اولی به" ہر وہ گوشت جو حرام سے بڑھتا ہے اس کے لئے دوزخ ہی شایان ہے (ترمذی بروایت کعب بن عمرہؓ)۔

اور فرمایا: "جس شخص کو اس بات کی پروا نہیں کہ مال کہاں سے چلا آ رہا ہے (آیا حلال بھی ہے یا نہیں؟) تو اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ اسے دوزخ کے کونسے حصہ میں جھونک دیا گیا ہے (ابومنصور درفردوس بروایت ابن عمرؓ)۔

حضرت ابن حبان نے اپنی صحیح میں ایک حدیث نقل کی کہ جو گوشت اور خون حرام کے مال سے پیدا ہوا اس پر جنت حرام ہے اور جہنم اس کی مستحق ہے۔

احیاء العلوم میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ حدیث شریف نقل کی گئی ہے کہ "حق تعالیٰ کا ایک فرشتہ بیت المقدس میں ہر شب یہ منادی کیا کرتا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہے

اس کے نہ فرض قبول ہوتے ہیں اور نہ سنتیں (نوافل تو بہت دور کی بات)'' ۔

کھاتے ہیں حرام لقمہ پڑھتے ہیں نماز
کرتے نہیں پرہیز دوا کھاتے ہیں (امجد حیدرآبادی)

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک غلام کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ پیا لیکن معلوم ہوا کہ حلال کمائی سے نہیں تھا۔ پس اسی وقت انگلی حلق میں ڈالی اور قئے کردی جو اس قدر شدید تھی کہ روح پرواز ہونے کا خدشہ لاحق ہوگیا تھا اور بار بار کہتے جاتے تھے کہ ''اے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ دودھ کا کچھ نہ کچھ حصہ تو قئے کے باوجود میری رگوں میں رہ گیا ہوگا اور اس کو باہر لانا میرے بس میں نہیں۔'' ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس قصہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم کو معلوم نہیں کہ صدیق اپنے پیٹ میں پاکیزہ مال کے سوا اور کچھ نہیں ڈالتے'' (بخاری بروایت حضرت عائشہؓ)۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت عمرؓ سے متعلق بھی ہے کہ آپ نے زکوٰۃ کی اونٹنی کا دودھ پی لیا تھا اور معلوم ہونے پر حلق میں انگلی ڈال کر قئے کردی (ابن ابی الدنیا در کتاب الورع)۔

واضح رہے کہ شریعت نے اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ اگر بے ارادہ یا نادانستہ طور پر ایسا ہوجائے تو اللہ کی پناہ مانگنا اور استغفار کرلینا کافی ہے۔ قئے کرنے کا لزوم نہیں ہے لیکن ان پاک نفوس کے دل میں خوف خدا اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ ان کو قئے کرنے تک اطمینان نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے پڑھتے کمر جھک جائے اور روزے رکھتے رکھتے جسم ناتواں ہوجائے تب بھی بے فیض ہوگا اگر حرام خوری سے پرہیز نہ کیا جائے کیونکہ حرام خوری کسی کار نیک کو قبول ہی نہیں ہونے دیتی۔

حضرت ابن مبارکؒ کا ارشاد ہے کہ شبہ کا ایک روپیہ چھوڑ دینا ایک لاکھ روپیہ صدقہ

میں دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت صفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کہ جو مال حرام سے صدقہ دیتا ہے وہ شخص ایسا ہے جیسا نجس کپڑوں کو پیشاب سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہو۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ اطاعت و بندگی خزانہ الٰہی ہے جس کی کنجی دعا ہے اور اس کے دندانے رزق حلال سے بنتے ہیں۔

حضرت سہل تستریؒ کا قول ہے کہ حرام خور کے تمام اعضا گناہ میں مشغول رہتے ہیں خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اور جو شخص حلال کھاتا ہے اس کے تمام اعضا محو عبادت رہتے ہیں اور توفیق خیر ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہے۔

غرض اس ضمن میں احادیث' آثار و اقوال کی کوئی کمی نہیں اور ان کی تعداد بے شمار ہے اور یہی سبب ہے کہ اہل اللہ نے اس سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ حرام چیزوں سے بچنا تو پہلے درجہ کی پرہیزگاری ہے کہ اس کے بغیر کوئی عبادت بھی کام کی نہیں اور ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا جس میں حرام کا شبہ بھی ہو صالحین کا طریقہ ہے۔ متقیوں کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی چیزوں سے بھی احتراز کیا جائے کہ جس میں اس بات کا خوف ہو کہ مبادا اس کی وجہ سے اشتباہ میں گرفتار ہو جائیں خواہ وہ چیز حلال مطلق ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بندہ اس وقت تک متقی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ کسی چیز کو محض اس خوف سے چھوڑنا نہ سیکھ لے کہ کہیں اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا نہ ہو جائے۔

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مال غنیمت میں سے کچھ مشک گھر پر لائے اور اہلیہ سے فرمایا کہ مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کروا دو۔ ایک دن آپ گھر تشریف لائے تو زوجہ کی اوڑھنی میں سے مشک کی بو آئی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ بولیں مشک تولتے ہوئے خوشبو ہاتھوں کو لگ گئی تھی۔ میں نے وہ ہاتھ اوڑھنی پر مل لئے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ وہ مشک تمہاری ملکیت نہیں تھی' اوڑھنی

سر سے اتاردی اور مٹی سے دھونے لگے یہاں تک کہ خوشبو کا نام ونشان باقی نہ رہا۔تب وہ اوڑھنی واپس کی۔

خوشبو کی یہ مقدار کسی طرح قابل گرفت نہ تھی لیکن حرام کے خوف سے اس حلال کو چھوڑنا عین تقوے کا تقاضہ تھا اور مسلمانوں کے لئے عظیم درس۔

وہب بن الوردؒ نامی ایک بزرگ گزرے ہیں۔ان کی عادت تھی کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے جب تک یہ اطمینان نہ ہوجاتا کہ وہ چیز ان تک کن ذرائع سے پہنچی ہے؟ ایک دن انہیں دودھ کا پیالا پینے کو دیا گیا۔آپ نے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ اس کی قیمت کہاں سے ادا کی گئی؟ کس شخص سے خریدا گیا تو یہ سب کچھ معلوم کر چکے اور پھر پوری طرح اطمینان نہ ہوا تو پوچھا کہ اس بکری نے چارہ کہاں سے کھایا تھا؟ اس پر معلوم ہوا کہ اس بکری نے ایسی چراگاہ سے گھاس کھائی تھی جس پر مسلمانوں کا کسی بھی طرح سے کوئی حق نہیں تھا۔ پس دودھ پینے سے انکار کردیا۔لوگوں نے کہا پی لیجئے اللہ رحیم وکریم ہے۔آپ نے کہا بے شک وہ رحیم وکریم ہے اور رحمت کرے گا لیکن گناہ سے آلودہ ہونے کے بعد جو رحمت مجھے حاصل ہوگی اس میں گناہ کی آرائش لامحالہ ہوگی اور مجھے پسند نہیں کہ اس کی رحمت کو گناہ سے آلودہ کروں۔

باب ﴿۷﴾

امر بالمعروف

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا ''مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا واجب ہے۔ جس رسم و عادت کا شروع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہ ہو اس میں دخل نہ دے۔ نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جب تک معلوم نہ ہو جائے۔ جتنے لوگ رسم و عادات کے پابند ہیں ان کو آدمی نہ سمجھے اور ان سے نہ شرمائے۔''

مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا یعنی شریعت کے احکام بتانا اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت کرنا واجب ہے کیونکہ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے:

" ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر "(ال عمران)

تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا ضروری ہے کہ اس کا کام ہی (لوگوں کو) نیکی کی دعوت دینا ہو اور وہ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے اعمال سے منع کرتے رہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوالزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر " (الحج) وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کے بنیادی اور اہم ترین اصولوں میں سے وہ عظیم الشان اصول ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام بھیجے ہی اس لئے گئے ہیں کہ اس اصول کو زیادہ سے

زیادہ تقویت پہنچائیں۔ یہی چیز اگر مفقود ہو جائے تو شریعت کے احکام باطل ہو کر رہ جائیں گے۔

کیمیائے سعادت میں چند حدیثیں نقل کی گئی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ "لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بدترین لوگوں کو تمہارے اوپر مسلط کر دے گا تب تم سے بہترین لوگ بھی اگر دعا کریں گے تو دعا قبول نہ ہو گی۔" حضرت صدیق اکبرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی قوم ایسی نہیں ہو سکتی کہ جس میں گناہ کا دور دورہ ہو اور کوئی انہیں روکنے والا بھی نہ ہو اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب نازل نہ کرے جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔" (یعنی برائیوں سے نہ روکنے والی قوم پر عذاب کا نازل نہ ہونا ممکن نہیں) اور فرمایا "اگر کسی جگہ پر ظلم ڈھایا جا رہا ہو اور کسی کو مار پیٹ رہے ہوں اور کوئی شخص وہاں کھڑا ہو یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو اور قدرت رکھنے کے باوجود اس مظلوم کی مدافعت نہ کرے تو اس پر لعنت کی بارش ہوتی ہے۔" اور فرمایا "ایسی جگہ بیٹھو بھی نہیں جہاں ناشائستہ قسم کے (کام) باتیں ہو رہی ہوں اور تم میں اتنی ہمت بھی نہ ہو کہ انہیں روک سکو۔" حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شہر پر عذاب نازل کیا جس میں اٹھارہ ہزار آدمی ایسے آباد تھے جن کے اعمال پیغمبرانہ صفات کے حامل تھے۔" صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! ایسا کیوں ہوا؟" آپ نے فرمایا "اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کی خاطر دوسروں سے خفا نہ ہوتے تھے اور ان سے باز پرس نہ کرتے تھے۔"

(حوالہ کیمیائے سعادت اصل نسخہ صفحہ ۲۴۱ ترجمہ عبدالمجید یزدانی صفحہ ۳۹۷ ترجمہ سعید الرحمٰن علوی صفحہ ۳۷۲)

(یاد رہے کہ گناہ پر باز پرس کرنے کو احتساب اور احتساب کرنے والے کو محتسب کہتے ہیں)

چونکہ احتساب واجب ہے اس لئے علم احتساب اور شرائط احتساب کا جاننا بھی واجب ہوتا ہے۔ احتساب کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ محتسب 'مکلّف' مسلمان یعنی پکا دیندار ہو۔ محتسب کا گناہوں سے پاک ہونا شرط احتساب نہیں کیونکہ ایسا شخص کہاں سے آئے گا جو پوری طرح معصوم ہو۔

حضرت حسن بصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ "فلاں شخص کہتا ہے کہ لوگوں کو اس وقت تک حکم نہ دو جب تک خود اس پر عمل پیرا نہ ہو جاؤ اور برے کاموں سے اس وقت تک نہ روکو جب تک تم خود بالکل پاک نہ ہو جاؤ تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ شیطان کی اس سے بڑی آرزو کوئی نہیں کہ اس قسم کی باتیں ہمارے دلوں میں ڈال دے تاکہ احتساب کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔"

ہاں! ایک فاسق و فاجر شخص کا واعظ و محتسب بن بیٹھنا درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو وہ ایک اور گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور پھر اس کا احتساب بالکل بیکار اور بے اثر ہوتا ہے۔ اس کی باتوں کو پہلے تو لوگ سنیں گے نہیں اور اگر سنیں بھی تو محض ہنسی اڑانے کے سوا اور کچھ نہ کریں گے۔ اس طرح وعظ و نصیحت کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور شریعت کی تعظیم بھی لوگوں کے دلوں میں باقی نہ رہے گی۔

احتساب کرنے کے چند درجات ہیں۔ ان کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کیونکہ پہلا درجہ کارگر نہ ہونے کی صورت میں ہی دوسرا درجہ لائق عمل ہوگا۔

محتسب کو پہلے حالات و کیفیات سے مکمل آگاہی حاصل کر لینا چاہئے پھر گناہ کرنے والے کو یہ بتایا جائے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ شرعی رو سے گناہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس اطلاع پر ہی اپنے عمل سے باز آ جائے۔ اگر یہ عمل کارگر نہ ہو تو نصیحت کرنا چاہئے۔ اگر نصیحت بھی بے اثر ہو جائے تو سختی سے کہنا چاہئے۔ پہلے ہی وفعہ سختی قطعاً مناسب نہیں۔

پھر اگر سختی سے بھی کام نہ بنے تو ہاتھ سے روکنا چاہئے۔ اگر گناہ سخت قسم کا ہو تو مارنا اور لوگوں سے مدد لینا بھی جائز ہے۔ اگر ان میں سے کچھ بھی کرنا ممکن نہ ہو مثلاً ایسا کرنے سے خود کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا فتنہ پھیلنے کا خوف ہو یا گناہ میں اور زیادتی کر دینے کا امکان ہو تو احتساب واجب نہیں ہے تاہم گناہ سے دل میں کراہت اور ترش روئی تو بہرحال اختیار کرنی چاہئے کہ یہ ادنیٰ درجہ کا احتساب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے سامنے گناہ ہو رہا

ہے (اور وہ روکنے کی قدرت نہ رکھے) مگر اس سے کراہیت اور خفگی کا اظہار کرے تو اس کے حق میں ایسا ہے گویا اس نے گناہ ہوتے دیکھا ہی نہیں۔

اگر کوئی بیٹا اپنے ماں یاباپ سے احتساب کررہا ہوتو اس کو اُن کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے احتساب کرنا چاہئے ورنہ یہ بجائے خود ایک جرم متصور ہوگا۔

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے جو فرمایا کہ ''جس رسم و عادت کا شرع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہ ہو اس میں دخل نہ دے'' تو ظاہر ہوا کہ محتسب کو چاہئے کہ حقیقت حال سے یقینی وحتمی آگاہی حاصل کرلے کہ کسی کا فعل واقعی شرعی رو سے گناہ بھی ہے یا نہیں۔ اور اس میں بھی اس بات کا لحاظ رکھے کہ تجسّس وکرید شامل نہ ہو۔ اگر کوئی چھپ کر گناہ کرتا ہوتو چھپ چھپ کر دیکھنا یا لوگوں سے دریافت کرتے پھرنا بری بات ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں میں بعض ایسے لغو رسوم رواج پاگئے ہیں جو غیر شرعی اور قابل منع ہیں۔ بالخصوص شادی بیاہ اور دیگر تقاریب کے موقع پر ان کا کھلم کھلا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ مثلاً سانچق مہندی کی رسم میں نوشہ کا اپنی ہونے والی سالیوں کے ساتھ مل بیٹھنا اور طرح طرح کی لغویات میں مشغول ہونا وغیرہ۔ چنانچہ حضرت محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ ''جو لوگ (ایسے) رسوم و عادات کے پابند ہیں ان کو آدمی نہ سمجھے اور ان کو روکنے سے نہ شرمائے'' پس آپ نے واضح فرمادیا کہ کسی بھی غیر اسلامی رسم کو اپنا شعار بنالینا ہرگز آدمیت نہیں اس لئے ایسے لوگ آدمی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ایسی مباح چیزیں بھی جو فائدہ بخش نہیں ہیں کبھی کبھار ہی قابل عمل ہیں کیونکہ یہ بھی تضیع اوقات کا سبب بنتی ہیں اور آدمی اس سے اسراف میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

حضرت محبوب اللہؒ کو رسوم سے سخت کراہیت تھی۔ بے جا تکلفات کو پسند نہ فرماتے تھے۔ گلدستہ تجلیات میں مذکور ہے کہ تقاریب کے موقع پر رقص کے ساتھ باجا نوازی کو بھی آپ پسند نہ فرماتے بلکہ منع فرماتے تھے۔ فرماتے کہ شادی کے مواقع پر ''اعلنو ھذا النکاح

واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف" کا حکم ہے اس لئے دلہا کے ساتھ اگر باجا رکھا جائے تو درست ہے۔ اس کے علاوہ باجے کا استعمال درست نہیں۔ علی ھذہ القیاس تقاریب کے مواقع پر خویش و اقارب کے ہاتھ میں روپے رکھنے کے عام رواج کو بھی آپ پسند نہ فرماتے اور اپنے پاس کی کسی تقریب میں کسی کو اس طرح ہاتھ میں روپے رکھنے کی اجازت نہ دیتے اور خود بھی اس طرح عمل نہ فرماتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں کوئی اعتراض کر بیٹھے کہ ہاتھ میں روپے رکھنا ایک قسم کا تحفہ ہے اور تحفہ دینا نہ صرف یہ کہ غیر شرعی نہیں بلکہ پسندیدہ امر ہے۔ تو اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ تحفہ وہ ہوتا ہے جو آدمی اپنی خوشی سے اپنی حسب استطاعت دے۔ لیکن تقاریب کے موقع پر دیا جانے والا یہ تحفہ ان دونوں باتوں سے عموماً عاری ہوتا ہے کیونکہ اس کو تحفہ کی حیثیت کم اور رسم ورواج کی حیثیت زیادہ حاصل ہوگئی ہے بلکہ بعض جاہلوں نے تو اس کو اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا ہے۔ اگر کوئی شخص تحفہ نہ دے یا روپے ہاتھ میں نہ رکھے تو اس کو عجیب وغریب نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر ایسے میں اس کو تحفہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

دوسرا یہ کہ ایسے رواج سے کبھی بعضوں کو سخت شرمندگی بھی ہوتی ہے اور وہ ندامت سے بچنے کے لئے قرض لینے تک تیار ہوجاتے ہیں یا پھر تقریب میں شرکت کرنے ہی سے رک جاتے ہیں۔ بہر حال جو رواج آدمی کی شرمندگی یا غیر حاضری کا موجب بن جائے اس کو زبردستی کا سودا ہی کہہ سکتے ہیں، تحفہ کبھی نہیں کہہ سکتے۔

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے شادی کے موقع پر پرتکلف پخت (یعنی لوازمات کے ساتھ طعام کے اہتمام) کو بھی ناپسند فرمایا۔ تسمیہ خوانی کا جو عام رواج ہے وہ بھی حضرت کو کچھ پسند نہ تھا۔ اسی طرح قبور پر پھول چڑھاتے وقت سلام کے پڑھنے اور سلام کے وقت سب کے کھڑے ہونے کو بھی آپ نے ناپسند فرمایا کیونکہ اس کو لازم کرلیا گیا تھا۔ بعض نادان تو ایسا نہ کرنے پر

بدعقیدگی کا فتویٰ دے دیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ''میلاد شریف کے ذکر مبارک کے بعد سلام و قیام مستحب ہے۔ باقی ہر دفعہ سلام کے وقت قیام کا کہیں ثبوت نہیں (لہٰذا یہ لازم نہیں ہے)۔ نبی کریم ﷺ پر تشہد میں بھی سلام بھیجا جاتا ہے اور درود شریف میں بھی سلام کے جملے استعمال کئے جاتے ہیں اور قیام نہیں ہوتا اس لئے یہ عمل بے جا رسوم میں داخل ہے۔''

حضرتؒ کے حالات میں ہے کہ اظہار حق میں آپ کبھی کوتاہی نہ فرماتے۔ جب کبھی کوئی بات نامناسب معلوم ہوتی یا کسی کے غلط اقدام کو ملاحظہ فرماتے تو فوراً ٹوک دیتے۔ پس یہی حکم آپ نے اپنے مریدین اور معتقدین کو ''ان کو روکنے سے نہ شرمائے'' کے الفاظ سے دیا ہے۔

باب ﴿۸﴾

ریا و اخلاص

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا "نیک کام کسی کے دکھانے کو نہ کرے۔ اس کو ریا کہتے ہیں۔ ذرا سا کام بھی خالص خدا کے لئے ہو تو وہی باعث نجات ہوگا۔"

یاد رہے کہ ریا نہ صرف یہ کہ اعمال صالحہ کو ضائع کر دیتی ہے بلکہ یہ مزید گناہ و عذاب کا موجب ہے کیونکہ عبادات میں ریا کاری سے کام لینا گناہ کبیرہ ہے اور شرک سے قریب ہے۔ عموماً نیک اعمال کرنے والوں کے دل جس بیماری کے سب سے زیادہ شکار ہوتے ہیں وہ ریا کاری ہی ہوتی ہے یعنی عبادت کرتے ہیں تو خواہش یہی ہوتی ہے کہ لوگ ان کی عبادت گزاری سے واقف ہوں اور ان کو پارسا جانیں۔ جس عبادت کا مقصد لوگوں کو اپنا معتقد بنانا ہو اسے عبادت الٰہی میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ تو لوگوں کی پرستش ہوئی نہ کہ اللہ کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احدا" (کہف) سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب واحد کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ "فويل للمصلين الذين هم عن لاتهم ساهون ○ الذين هم يرائون ○" (الماعون) سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں۔ جو ایسے ہیں کہ (جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریا کاری کرتے ہیں۔

کسی شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ نجات کس چیز کا نام ہے؟ تو فرمایا "اس چیز میں

کہ تو خدا کی عبادت کرے لیکن لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں (بلکہ خالصۃً للہ کرے)'' (مسلم)
اور آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے اپنی امت کے بارے میں کسی چیز کا اتنا خوف نہیں ہے جتنا کہ اس چھوٹے شرک کا ہے جس کو ریا کاری کہتے ہیں (احمد و بیہقی)

اور فرمایا کہ ''جب الحزن'' (یعنی رنج کے غار) سے پناہ مانگا کرو۔'' تو لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیا چیز ہے۔ فرمایا کہ وہ ایک وادی ہے جو ریا کاروں کے لئے خاص طور پر دوزخ میں بنائی گئی ہے۔ (ترمذی بروایت ابوھریرہؓ)

اسی طرح کی بے شمار روایتیں مختلف کتب احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت علیؓ نے ریا کاروں کی تین نشانیاں بتلائی ہیں:

(۱) تنہائی میں کاہلی اور سستی کرتا ہے لیکن لوگوں کے سامنے خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتا ہے۔
(۲) لوگوں کو دیکھتا دیکھ کر مسکراتا اور خوش ہوتا ہے۔
(۳) تعریف سن کر زیادہ عمل کرتا اور مذمت سن کر عمل کم کر دیتا ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مسجد میں روتا اور گڑگڑاتا دیکھ کر فرمایا ''اے بھلے مانس! جو کچھ تو مسجد میں کر رہا ہے اگر گھر میں (لوگوں سے چھپا کر) کرتا تو تیرا جواب نہ تھا۔

اب رہا یہ سوال کہ ''ریا'' کی حقیقت کیا ہے اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟ تو حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ریا کی تعریف بیان فرمادی۔ ریا کار پانچ قسموں پر مشتمل ہوتے ہیں:

(۱) ظاہری اور بدنی ہیئت وشکل سے دھوکا دینے والے: مثلاً اپنے آپ کو بالکل نحیف و کمزور بتاتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ نقاہت اور کمزوری مجاہدہ وریاضت کا نتیجہ ہوگا یا ٹھنڈی آہیں بھر بھر کر موت کو یاد کرتے رہتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں یہ کتنا نیک آدمی ہے کہ ہمیشہ موت کا خیال رکھتا ہے یا اپنی پیشانیوں پر گٹھے لا لیتے ہیں تا کہ لوگ انہیں

عبادت گزار تصور کریں۔

عبادت میں نہ کثرت ہے نہ شوق جبہ سائی ہے
یہ پیشانی کا گٹھا کیا ہے؟ سیمائے ریائی ہے (احمد حنبلی)

واضح رہے کہ قرآن مجید میں پیشانی کے گھٹے والوں کی جو تعریف آئی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ لوگ کثرت سجود کے عادی ہوتے ہیں جس کے سبب ان کی پیشانیوں پر بے ارادی طور پر گھٹے نمودار ہوجاتے ہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم ارادتاً گھٹے پیدا کرلو تو تمہارا بھی شمار ان میں ہوجائے گا۔ **سیماھم فی وجوھھم** کے ساتھ **من اثر السجود** کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔

(۲) لباس اور پوشاک سے اپنے آپ کو پارسا دکھانے والے: مثلاً کھردرایا پھٹا پرانا کپڑا پہننا تاکہ اس پر زاہد ہونے کا گمان گزرے یا ہاتھ میں ہمیشہ جانماز یا تسبیح لے کر گھومنا تاکہ لوگ صوفی سمجھیں۔

یہاں ایک بات اور قابل وضاحت ہے کہ صوفی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوتا۔ جس کا باطن پاک ہو اور جس کا اللہ کے یہاں مقبول بندوں میں شمار ہوتا ہو وہی صوفی ہے۔ صوفی نام رکھ لینا جائز ہے لیکن اپنے آپ کو صوفی کہلوانا یا خود کہہ لینا بھی ریا کاری ہی کی ایک صورت ہے۔ صوفیوں کی انجمن بنانا اور اپنے آپ کو اس انجمن کا ایک رکن قرار دینا بھی اپنے آپ کو صوفی کہنے کے مترادف ہے لہٰذا اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

(۳) گفتگو میں ریا کاری سے کام لینے والے: ایسے لوگ عموماً ہونٹوں کو یوں ہلاتے ہیں جیسے ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول ہوں حالانکہ ذکر ہونٹوں کو ہلائے بغیر بھی ہوسکتا ہے لیکن اس سے لوگوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ حضرت ذکر بھی کیا کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے پاس انفاس پر مداومت کا حکم دیا تاکہ ذکر بھی چلے اور ریا کاری سے بھی محفوظ رہ سکیں۔

(۴) عبادت میں ریاکاری کرنے والا: ایسا ریاکار نماز پڑھتے ہوئے اگر دور کسی کو آتا ہوا دیکھتا ہے تو نماز بڑے اہتمام اور خشوع وخضوع سے پڑھتا ہے۔ گردن آگے کو جھک جاتی ہے۔ رکوع وسجود طویل ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو نماز میں وہ تیزی وطراری ہوتی ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو نماز ختم کرلی جائے۔

(۵) مریدوں اور شاگردوں کی تعداد بتا کر اپنی منزلت منوانے والے: یہ لوگ دوسروں پہ یہ ظاہر کرنے میں بڑے مستعد ہوتے ہیں کہ ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بڑے بڑے رئیس اور جاگیردار سلام کو حاضر ہوتے ہیں۔ عزت دار لوگ میرا احترام کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس سے یہ تاثر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ میں واقعی قابل احترام ہوں۔ سب لوگ میری نیکی اور میری للّٰہیت کی وجہ سے مجھ سے متاثر ہیں۔

یہ تو اس قسم کے ریاکاروں کی بات تھی جن کی ریاکاری آسانی سے ظاہر ہو جاتی ہے لیکن اس سے زیادہ پوشیدہ ریاکار وہ ہوتا ہے جو اپنے اعمال میں ریا ظاہر نہیں ہونے دیتا لیکن ریا اس کے باطن میں موجود رہتی ہے۔ مثلاً اپنے آپ کو گناہ گار کہتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اسے اپنے گنہگار ہونے کا اعتراف ہے بلکہ اس لئے کہ لوگ اس کو اس کی عاجزی وفروتنی کے سبب نیک خیال کریں۔

اب یہاں میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ جو ریاکاروں کی نشانیاں بتائی گئی ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اگر اپنے آپ میں ان نشانیوں میں سے کسی نشانی کو موجود پائیں تو یقین کرلیں کہ ہم میں ریاکاری کا عنصر موجود ہے اور اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ یہ نہیں کہ دوسروں کو ظاہری طور پہ ان صفات کا متحمل دیکھ کر زبان درازی یا انگشت نمائی کیا کریں۔

جس کا عمل ہے اس کے ساتھ ہم کو نہیں زیبا تنقید (احمد حنبلی)

ویسے بھی ''انما الاعمال بالنیات'' کا ارشاد ہے اور ہم کسی کی نیتوں سے واقف نہیں اس لئے بدظنی سے حتی المقدور گریز کرنا ہی احسن ہے۔ پھر انگشت نمائی بجائے خود ایک مذموم فعل ہے۔

واضح ہو کہ ریاء ایک خطرناک بیماری ہے اور ایسی خطرناک بیماری ہے کہ جو مسلمان کی روحانیت کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کا علاج معمولی کوشش سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے زبردست جدوجہد درکار ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو ضروری ہے کہ ریاء کی حقیقت کے بارے میں خوب واقفیت حاصل کر لیں' کہ یہ عبادتوں کو ناچیز کر دیتی ہے اور آخرت میں اس کا عذاب اتنا شدید ہوگا کہ اسے برداشت کرنا کسی کی بھی طاقت سے باہر ہے۔

اگر کوئی شخص شہد کا بے حد شوقین ہے اور شہد کی موجودگی پر بغیر کھائے رہنا اس کے لئے دشوار ہے لیکن اس کو یہ بتا دیا جائے کہ اس شہد میں زہر ملا ہوا ہے تو شدت رغبت کے باوجود وہ شہد کھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کھا لے تو اس کی چار ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کو اس آمیزش میں شبہ ہو بلکہ شبہ کی صورت میں بھی کوئی نہیں کھائے گا۔ دوسری یہ کہ اس کو اس بات کا یقین ہو کہ کہنے والا جھوٹ کہہ رہا ہے۔ تیسری یہ کہ وہ جان بوجھ کر ہلاک ہونا چاہتا ہے اور چوتھی یہ کہ اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔

یہ تو محض زہر کی بات ہے کہ جس سے انسان جان گنوا بیٹھتا ہے لیکن ریاء سے جو نقصان ہمیں آخرت میں اٹھانا پڑے گا وہ زہر کھانے سے زیادہ خطرناک ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ لوگوں کی تعریف و مذمت کا نہ کوئی اعتبار ہے نہ اس کی کوئی اہمیت ہے۔ خیر و شر خدا کے ہاتھ ہے۔ عزت و ذلت بھی خدا ہی کی مرضی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے واضح فرما دیا: ''وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر'' اگر تھوڑی دیر کے لئے کوئی ہمیں نیکوکار تصور کر بھی لیں تو کیا ہوگا۔ لوگوں کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔

ساری زندگی ہم کو لوگ اگر پارسا سمجھتے رہیں تب بھی ایک منٹ کے اندر اندر یہ رائے یکسر بدل سکتی ہے۔

حب ونفرت کا اعتبار نہیں   دل تغیر پذیر ہوتا ہے (احمد حنبلی)

پس ایسی بے اعتبار عزت وناموس کے لئے محنت کو رائیگاں کرلینا اور الٹا وبال سر پر مول لینا کونسی سمجھداری ہے۔ اس لئے جو کچھ کریں صرف اللہ کے لئے کریں اور اللہ ہی کے خیال سے کریں۔

یار تیرا ہے تو پھر تیری ہے ساری کائنات   سب کو اپنا کرنے والے اسکو اپنا کرکے دیکھ
(حضرت کاملؒ)

جس وقت دل میں ریا کا گزر ہو تب ان تمام باتوں کو یاد کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ریا دل ودماغ سے معاً دور ہوجائے گی۔ اللہ کی توفیق سے اخلاص نصیب ہوگا۔ البتہ ریا کاری کے تقاضوں کی مخالفت کرنے اور دل سے کراہیت کرنے کے باوجود اگر دل میں وسوسے باقی نہ رہ جائیں تو اس کو اہمیت نہیں دینا چاہئے کیونکہ وسوسے ایک طبعی امر ہے اور انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بعض اوقات آدمی کو عبادتوں سے روکنے کے لئے بھی شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ارے فلانے! تو تو دکھاوے کی عبادت کررہا ہے۔ ایسی عبادت سے کیا فائدہ؟ جو شخص ریا کے خوف سے عبادت ہی ترک کردے تو گویا اس نے شیطان کے کام کو آسان کردیا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ وسوسوں کو خاطر میں نہ لائیں اور اخلاص کے ساتھ عبادت پوری کریں۔

اب یہاں ایک اور بات وضاحت طلب ہے۔ وہ یہ کہ جہاں عبادتوں کو چھپانے کا حکم ہے وہیں دو صورتوں میں عبادتوں کو ظاہر کرنے کی اجازت بھی ہے:

(۱) جو عبادتیں فرض یا واجب ہیں ان کو چھپانے کا حکم نہیں ہے۔ مثلاً پنجوقتہ نمازیں، رمضان کے روزے وغیرہ۔ نماز کے بارے میں ہے کہ نماز مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والی

چیز ہے یعنی یہ مسلمان ہونے کی نشان ہے۔جس طرح اپنا دین ظاہر کرنا ریاء میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح فرائض کی سرعام ادائیگی بھی ریاء میں داخل نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مساجد میں باجماعت نمازیں ادا کرنے کا حکم بھی نہ ہوتا۔ ہاں البتہ اگر نماز اس لئے پڑھیں کہ لوگ نمازی کہا کریں تو یہ بیشک ریاء میں داخل ہے۔

(۲) وہ اعمال نیک جس کی لوگ اقتدا کریں یا جو عوام میں تحریک کا سبب بنیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**وان تبدوا الصدقات فنعما هي ط وان تخفوها وتو توها الفقراء فهو خير لكم**" (سورہ البقرہ آیت ۲۷۱) اگر تم صدقات کو ظاہر کر کے دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دیدو تو یہ اور بھی اچھا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کچھ مال طلب فرمایا تو ایک صحابی نے حسب الحکم ایک مال سے بھری تھیلی یوں حاضر کی کہ لوگوں نے دیکھ لیا۔تب ان کی دیکھا دیکھی سبھوں نے مال لانا شروع کردیا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نیک نمونہ پیش کرے اور لوگ اس کی اقتداء میں ویسی ہی نیکی کرنے لگیں تو اس شخص کو اپنے حصہ کے ثواب کے علاوہ دوسروں کی موافقت کا اجر بھی ملے گا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ اگر دل ریاء سے محفوظ ہے اور اظہار عبادت دوسروں کے راغب ہونے کا موجب بنے تو یہ بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔لیکن یہ اظہار صرف ایسی جگہ کریں جہاں دوسروں کی مسابقت کا امکان روشن ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل کا جائزہ بھی لیتے رہیں کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ریاء کی خواہش دل میں موجود ہوتی ہے اور صرف باہر نکلنے کا بہانہ تلاش کرتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ بہانے بنا کر لوگوں کو تو بے وقوف بنایا جاسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ دل میں گزرنے والی نیتوں اور وسوسوں سے واقف ہے لہٰذا اس کے سامنے بہانے نہیں بنائے جاسکتے۔

"یخادعون اللّٰہ والذین آمنو وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون" (البقرہ)

اخلاص کیا ہے؟:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں کسی شخص کے دل میں رکھتا ہوں تو خود اس سے محبت کرنے لگتا ہوں"[1]۔

حضرت ذون النورین مصریؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں:

(۱) عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہوجائے۔

(۲) اعمال میں اپنے حسن اعمال کو دیکھنا بھول جائے۔

(۳) اور یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

ہو عبادت کا مقصد حصولِ رضا
مت رکھو آرزوئے صلہ دوستو (احمدؔ حنبلی)

حضرت مکحولؒ نے فرمایا: جو بندہ چالیس دن تک صحیح اور کامل اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر زبان پر جاری ہوجاتے ہیں (حسن احوال) اور ایک بزرگ کا قول ہے کہ صحیح اور کامل اخلاص یہ ہے کہ اخلاص میں اخلاص کو بھی نہ تلاش کرے۔

اخلاص میں اخلاص کو مت ڈھونڈیئے ورنہ
اخلاص خود اخلاص کا محتاج رہے گا (احمدؔ حنبلی)

جس طرح لوگوں کی خاطر عمل کرنا برا ہے اسی طرح لوگوں کے خوف سے عمل ترک کردینا بھی قابل مذمت ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ لوگوں کی خاطر عمل کرنا ریاء ہے اور لوگوں کی وجہ سے چھوڑ دینا شرک ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ان دونوں سے نجات دیدے۔

حضرت غوث الثقلین غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "اے فرزند! تو اپنی

---

[1] اس حدیث قدسی کا حوالہ دستیاب نہ ہوسکا۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری پاکستان نے اس کو اپنے کتابچہ "حسن الاحوال" میں ذکر کیا ہے۔

نماز روزہ اور تمام افعال میں اللہ تعالیٰ کے واسطے اخلاص پیدا کر۔ افسوس تجھ پر کہ تو اپنی نماز میں اخلاص کے بغیر اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ اپنے روزے میں بھوکا پیاسا رہتا ہے۔ اس سے تجھے کیا فائدہ؟ تیری (ریا کاری کے) نماز روزے سے تجھے سوائے مشقت کے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔(اس لئے) مخلص بن جا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھ روزہ رکھ۔ مخلوق کے لئے نہیں (جلاء الخاطر۔باب ۹)

الغرض ریاء سے بچنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو ایک کرلیا جائے اور کثرت سے استغفار کیا جائے اور جان لیں کہ جو شخص لوگوں پر اپنے باطن کے خلاف ظاہر کرتا ہے وہ منافق ہے اور قیامت کے روز منافقوں کے گروہ میں اٹھے گا نعوذ باللہ من الریاء و نسئلہ الاخلاص۔

باب ﴿۹﴾

بیکار گفتگو

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ ’’جھوٹ،غیبت ،حسد اور بیکار گفتگو دل کا نور کھودیتے ہیں ۔‘‘

دل کا نور کھو جانے سے مراد کفر کی خصلتوں کا پیدا ہونا ہے جس سے احتیاط ضروری ہے۔ حضرت نے اسی کی طرف اس ارشاد میں چار صفات مذمومہ کا ذکر کیا ہے (۱) جھوٹ (۲) غیبت (۳) حسد (۴) بیکار گفتگو۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان چاروں کو علیحدہ علیحدہ باب کی شکل میں بیان کیا جائے تا کہ ان کے نقصانات کا کما حقہا جائزہ لیا جا سکے کہ ان چاروں کو ایک باب میں بیان کرنا حد سے زیادہ اختصار کو دعوت دیتا ہے جو اہم موضوعات کے لئے قرین انصاف نہیں ۔ لیکن چوں کہ جھوٹ اور غیبت عام طور پر بیکار گفتگو کا ثمرہ ہوتی ہیں اس لئے ہم بیکار گفتگو کے باب کو مقدم کرتے ہیں۔

زبان حق تعالیٰ کی صنعتوں میں سے ایک عجیب وغریب صنعت ہے کہ دیکھنے میں محض گوشت کی ایک بوٹی ہے لیکن دراصل دنیا کی ہر چیز پر اسے تصرف حاصل ہے۔ اس سے حاصل ہونے والا ثواب بھی بہت زیادہ ہے اور اس کا گناہ بھی سب سے زیادہ ہے ۔عقل کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں اور عقل وخیال میں جو کچھ آتا ہے اس کو الفاظ وعبارت کی صورت میں ظاہر کرنا زبان ہی کا کام ہے اور یہ ملکہ جسم کے کسی دوسرے عضو کو حاصل نہیں اس لئے زبان عقل کی نائب کہلاتی ہے اس کے علاوہ دل کی راستی یا کجرائی کا انحصار زبان کی راستی یا کج کوئی پر ہوتا ہے ۔

حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں کہ ”زبان سے نکلنے والے کلمات بد ہوں تو دل میں بدی کی تاریکی چھا جاتی ہے اور اگر کلمۂ حق زبان سے نکلتا ہے تو دل میں روشنی پھیل جاتی ہے۔“ گویا زبان سے نکلنے والے کلمات کا اثر دل پر نور کے ضیاع یا نور میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس قول سے حضور خواجہ محبوب اللہؒ کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ جب تک دل درست نہ ہو اس وقت تک ایمان بھی صحیح و مستقیم نہیں ہو سکتا اور دل کی راستی کا انحصار زبان کی راستی پر ہوتا ہے۔ پس زبان کے فتنوں، آفتوں اور شر و فساد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور خود اپنی زبان سے انہیں برباد ہونے سے روکنا دین کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔

زبان کی آفات بے اندازہ ہیں اور ان سے بچتے ہوئے زبان کو قابو میں رکھنا انتہائی مشکل ہے۔ لہٰذا ان سے نجات کی اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور بقدر ضرورت بات کرنے کی عادت کو اپنایا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”من صمت نجا۔ جو چپ رہا وہ نجات پا گیا (طبرانی بروایت عبداللہ ابن عمرؓ) ایک اور حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ”من سکت سلم من سلم نجا“ جو چپ رہا وہ سلامت رہا اور جو سلامت رہا وہ نجات پا گیا۔ کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: ”حق تعالیٰ نے جسے پیٹ، فرج اور زبان کے فتنے سے پناہ دی اسے گویا تمام گناہوں سے تحفظ حاصل ہو گیا“ اسی حدیث کی روشنی میں راقم نے یہ قطعہ نظمایا ہے۔

کیا زباں کیا پیٹ اور کیا شرمگاہ — دے خدا ان سب کے فتنوں سے پناہ
دور جس سے بھی یہ فتنے ہو گئے — دور اس سے ہو گئے سارے گناہ

ایک اور حدیث شریف ہے: ”الصمت حکمۃ وقلیل فاعلہ۔ خاموشی حکمت ہے

اور اس کے کرنے والے کم ہیں (ابومنصور در فردوس بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف)

اور ارشاد ہے: "من كان يومن بالله واليوم الأخر فليقل خيرا اوليسكت" جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ (باتیں ہی کرنا ہیں تو) اچھی اور پسندیدہ باتیں کرے ورنہ خموشی اختیار کرے (بخاری و مسلم)۔

احمد اپنے نطق کو تم بے سبب زحمت نہ دو — بات ہی کہنا ہو تو اچھی کہو یا چپ رہو

اور فرمایا: "اذا رايتم المومن صموتا وقورا فادنوا منه فانه يلقن الحكمة" جب تم کسی خاموش اور باوقار مومن کو دیکھو تو اس کے پاس ضرور جاؤ کیونکہ وہ یقیناً صاحب حکمت ہوگا (احیاء العلوم)۔

اور فرمایا: " من سره ان يسلم فليلزم الصمت " جس کو سلامت رہنا اچھا لگے تو وہ خاموشی کو اپنے اوپر لازم کر لے (طبرانی)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' زبان سے زیادہ کوئی چیز نہیں جو ہمیشہ قید رکھنے کی محتاج ہو (احیاء العلوم)۔

خاموشی کو بہت زیادہ فضیلتیں حاصل ہیں اور اس لئے حاصل ہیں کہ زبان کی آفتیں بے شمار ہیں اور ان آفتوں سے بچنے کا خاموشی سے بڑا کوئی طریقہ نہیں۔ نوک زبان سے بلا ضرورت نکلنے والی باتیں اکثر و بیشتر بے ہودہ اور لغو ہوتی ہیں۔ جن کا ادا کرنا نہ صرف مشقت سے عاری ہوتا ہے بلکہ یہ زبان کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو چیز بھلی بھی معلوم ہو اور آسان بھی ہو اس سے بچنا آدمی پر بار ہوتا ہے۔ حالانکہ حضرت لقمان علیہ السلام کا قول ہے کہ خاموشی کا دوسرا نام دانائی ہے۔ گویا بیکار گفتگو کرنے والا احمق ہوتا ہے۔

ایک مرد دانا کا قول ہے کہ جس طرح زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اسی طرح زیادہ باتیں کرنا دماغ کو مردہ کر دیتا ہے۔

باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں ان میں سے دو اقسام کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے:

(۱) وہ باتیں جن کے کہنے میں سراسر نقصان ہو جیسے فسق و فجور کی باتیں۔گالی گلوچ۔ فحش کلامی۔خلاف تہذیب اور ناشائستہ کہانیاں' لطیفے اور اشعار۔بدزبانی۔لعنت ملامت۔استہزا وتمسخر۔جھوٹ۔غیبت۔لگائی بجھائی اور چغلی۔دورخی کی باتیں۔خود پسندی۔الزام تراشی۔ لوگوں کو فضول مدح وستائش اور قصیدہ خوانی یا تذلیل وتحقیر۔ایسی آفات زبان ہیں کہ جن میں مبتلا ہوکر انسان تباہی کے زغے میں چلا جاتا ہے اور ان باتوں کے برا ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

(۲) وہ باتیں جن میں فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے جیسے وعظ ونصیحت۔عوام کی ہدایت و رہنمائی کے لئے حکایت بیانی' مناظرے' حسن شعر کوئی ذکر وشغل وغیرہ۔یہ ایسے افعال ہیں کہ جن کی نفع رسائی میں شبہ نہیں بشرطیکہ اخلاص نصیب ہو۔

(۳) وہ باتیں جن کا کہنا نفع بخش بھی ہو اور نقصان رساں بھی جیسے کسی مغموم ورنجیدہ مسلمان کی دل بستگی کے لئے لطیفے سنانا۔قصیدہ خوانی اور اختلاف رائے وغیرہ کہ یہ بعض مقامات پر نفع بخش بھی ہوتا ہے اور بعض وقت نقصان رساں بھی۔

(۴) وہ باتیں جو نفع ونقصان دونوں سے خالی ہیں اور یہ بالکل فضول اور واہیات ہوتی ہیں۔جیسے سفرنامہ بیان کرنا اور ان تمام پہاڑوں' باغوں' ندی نالوں کے قصے بیان کرتے رہنا جو دوران سفر نظر سے گزرے۔یہ تفصیلات بلاکمی وبیشی بھی پیش کیے جائیں تب بھی بالکل بے سود ہے جس کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔اسی طرح کسی سے دوچار ہونے پر اس سے ایسے سوالات کئے جائیں جن میں کوئی تک نہ ہو۔نہ پوچھنے والے کو کوئی فائدہ نہ بتانے والے کو کوئی فائدہ بلکہ بعض اوقات مہمل سوال نقصان رساں بھی ہوسکتا ہے۔جیسے کسی سے یہ پوچھا

جائے کہ تم روزہ سے ہو یا نہیں۔ بالکل غیر ضروری سوال ہے۔ ایک کے روزہ رہنے نہ رہنے سے دوسروں کو کیا تعلق ہے؟ اگر جواب دینے والا ہاں کہے تو عبادت کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے مترادف ہوگا اور اگر جھوٹ کہے تو گنہگار ہوگا اور یہ سب کچھ اس سوال کرنے والے کی وجہ سے ہوگا۔ پس فضول بات میں خواہ ذرہ بھی باطل کی آمیزش نہ ہو تو بھی بے فائدہ ہونے کی وجہ سے وہ فضول ہی ہوتی ہے اور تضیع اوقات کا سبب بنتی ہے۔

حتیٰ کہ جو بات ایک جملے میں بیان کی جاسکتی ہو اسے طول دے کر دو جملوں میں بیان کریں تو دوسرا جملہ فضول اور غیر ضروری کہلائے گا اور باعث آفت ہوگا۔ اسی لئے حکمت اور دانائی اسی میں ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور ان چیزوں کی ٹوہ میں نہ رہیں جن سے ہمارا تعلق نہ ہو۔ وما توفیقی الا باللّٰہ وما علینا الا البلاغ۔

باب ﴿۱۰﴾

جھوٹ

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ جھوٹ کا شمار گناہ کبیرہ میں ہوتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایاکم والکذب فانہ مع الفجور وھما فی النار وعلیکم بالصدق فانہ مع البر وھما فی الجنۃ'' (ابن ماجہ ونسائی) جھوٹ سے بچو کیونکہ اس کا تعلق بدکرداری سے ہے اور دونوں دوزخ کی چیزیں ہیں۔ اور تم پر لازم ہے کہ سچ کہو کیونکہ اس کا تعلق نیکی سے ہے اور دونوں جنت میں ہیں۔

ایک اور حدیث شریف ہے جو عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے: ''لایزال العبد یکذب ویتحیر شیٔ الکذب حتی یکتب عنداللہ کذاب'' بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور (اس طرح) جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے تو اللہ کے پاس کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''الکذب ینقص الرزق (بخاری و مسلم) جھوٹ بولنے سے رزق میں کمی ہوتی ہے (یعنی جھوٹ رزق کا دشمن ہے)

اور فرمایا: ویل للذی یحدث فیکذب لیضحک بالقوم ویل لہ ویل لہٗ (احمدؒ بیہقی و حاکم بروایت عبدالرحمٰن بن شبل) افسوس ہے اس شخص پر جو محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ کہتا ہے۔ افسوس ہے اس پر' افسوس ہے اس پر۔

حضرت عبداللہ بن جراء سے روایت ہے کہ انھوں نے آں حضور ﷺ سے پوچھا ''یارسول اللہ! کیا کسی مومن سے زنا کا ارتکاب ممکن ہے؟'' فرمایا ''ہاں اس کا امکان ہوسکتا ہے۔''

پھر انہوں نے پوچھا ''کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟ ''فرمایا نہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھی ''انما یفتری الکذب الذین لایومنون بایات اللّٰه (بس جھوٹ پھیلانے والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے ۔سورہ النحل آیت ۱۰۵)

اور ایک حدیث شریف میں آیا ہے ''اربع اذکن فیک فلا یضرک مافاتک من الدنیا صدق حدیث و حفظ امانۃ وحسن خلق وعفۃ طعمۃ'' (حاکم وخرائطی درمکارم اخلاق بروایت عبداللہ ابن عمروؓ) چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تجھ میں ہوں تو دنیا کی کوئی چیز تیرے پاس نہ ہو تب بھی تجھے کوئی ضرر نہ ہوگا ۔(۱) سچ بولنا (۲) امانت کی حفاظت کرنا (۳) خوش خلقی (۴) حلال روٹی ۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹ بولنا اس لئے حرام ہے کہ یہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کی اصلی شکل کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے اور بالکل تنگ و تاریک بنادیتا ہے (کیمیائے سعادت ۔ فارسی نسخہ صفحہ ۲۹۳) چنانچہ حضرت محبوب اللہؒ نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جھوٹ ان چیزوں میں شامل ہیں جن سے دل کا نور ضائع ہوجاتا ہے ۔ یہ تو جھوٹ کے باطنی نقصانات تھے ۔حقیقت تو یہ ہے کہ جھوٹ ظاہری طور پر بھی نقصان پہنچانے والی عبادت ہے ۔ جھوٹ بولنے والے کا وقار اور دبدبہ ختم ہوجاتا ہے ۔جھوٹ بولنے والے کی عزت نہیں کی جاتی۔ جھوٹ بولنے والے کی ہر بات جھوٹ ہی سمجھی جاتی ہے خواہ وہ کبھی سچ ہی کیوں نہ بولے ۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ خود اس کو اس بات کا احساس نہیں رہتا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے ۔ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے اور ذلیل ہوتا ہے ۔ اس لئے علماء نے کہا ہے کہ ان مواقع پر جہاں جھوٹ بولنا جائز ہے وہاں بھی دل میں کراہت رہ کر ہی جھوٹ بولنا چاہئے تاکہ مصلحتاً کہا گیا جھوٹ کہیں عادت نہ بن جائے ۔ اور ایسے میں بھی بالکل سفید جھوٹ کہنے سے گریز کرنا چاہئے ۔وہ صورتیں جس میں جھوٹ بولنا جائز ہے:

باب ﴿۱۱﴾

غیبت

غیبت وہ خطرناک وبال ہے جس کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھائی کا گوشت کھانے سے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''فلا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ۔''

پس ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے وہ بھی مردہ۔ پس تم کو اس سے کراہیت ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایاکم و الغیبۃ فان الغیبۃ اشد من الزنا (ابن ابی الدنیا۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) غیبت سے بچو کیونکہ اس کا گناہ زنا سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زانی اگر توبہ کرے تو قبول ہوجاتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ خود وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی گئی ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج کو میرا گزر ایک ایسے گروہ کے قریب سے ہوا جو اپنے ناخنوں سے اپنے ہی چہرے کا گوشت نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ غیبت کرنے والے ہیں (ابوداؤد)۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کرکے مرے گا وہ سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ اور اگر توبہ کے بغیر مرجائے تو سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورؐ کا ہم سفر تھا۔ راستے میں دو قبروں کے پاس سے ہمارا گزر ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ دونوں کو عذاب ہو رہا ہے کیونکہ ایک غیبت کا عادی تھا اور دوسرا طہارت سے اس قدر دور تھا کہ کپڑوں کو پیشاب سے بھی نہیں بچاتا تھا۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ جب حضور ایک مردار کے قریب سے گزرے تو فرمایا: اس مردار کا گوشت کھاؤ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم مردار کا گوشت بھلا کیسے کھاسکتے ہیں؟ فرمایا: جو (غیبت کر کے) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے رہتے ہو وہ اس سے کم گندہ تو نہیں ہے (ابن ابی الدینا)۔

حضورؐ نے غیبت کرنے والے کے ساتھ غیبت سننے والے کو بھی برابر رکھا ہے۔فرمایا کہ کرنے والے کی طرح سننے والا بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہے۔

وضاحت: بعض لوگ غیبت کر کے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ سچ بات کہی ہے واضح رہے کہ غیبت کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کوئی بات اس کی غیر حاضری میں کہی جائے کہ اگر وہ موجود ہوتا یا سنتا تو اس کو برا لگتا۔ خواہ وہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر وہ بات ہو بھی جھوٹی تو اس کو جھوٹ' تہمت اور بہتان کہیں گے۔ اس طرح یہ گناہ بالائے گناہ ہوجائے گا۔ چنانچہ جو بات بھی کسی کے نقص یا عیب کو ظاہر کرے وہ غیبت میں شامل ہے خواہ اس کا تعلق حسب نسب سے ہو یا لباس سے یا مال و دولت سے یا گھربار سے یا کردار سے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ایک عورت کے بارے میں کہا کہ وہ پست قد ہے تو حضور نے فرمایا عائشہؓ تو نے غیبت کی۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ غیبت کا تعلق صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ اس کا ارتکاب آنکھ' دل' تحریر اور اشارے سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور غیبت ہر صورت میں حرام ہے۔ البتہ جس طرح جھوٹ بعض صورتوں میں جائز ہوتا ہے اسی طرح غیبت

بھی بعض عذرات کی بناء پر مباح ہوتی ہے۔

(۱) کسی کے ظلم کے خلاف کسی قاضی، حکمران یا کسی مدد کرنے والے کے پاس شکایت کرنا تاکہ وہ انصاف رسانی میں معاونت کرے۔ اگر اس کی اجازت نہ ہوتی تو عدل و عدالت کا نام بھی باقی نہ رہتا اور ظالم من مانی کرنے لگتے۔ البتہ ایسے شخص سے کسی کی شکایت کرنا جائز نہیں جس سے مدد یا انصاف کی توقع نہ ہو۔

(۲) کسی جگہ دنگا فساد ہو رہا ہو یا نقص امن کا خطرہ لاحق ہو تو جو شخص اس کو روکنے پر قدرت رکھتا ہے اُس کو مطلع کرنا بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔ تاکہ فساد کو روکا جا سکے۔

(۳) کسی معاملے میں مفتی سے فتویٰ طلب کرنے کے لئے بھی کسی کی بدسلوکی کے بارے میں بیان کرنا جائز ہے تاہم احسن صورت یہ ہے کہ نام نہ لیا جائے۔

(۴) اگر کوئی شخص خود اپنی ہی برائیاں ظاہر کرتا ہے یا کھلم کھلا ببانگ دہل گناہ کرتا ہے تو ایسے شخص کے گناہ بیان کرنا بھی غیبت میں داخل نہیں ہے۔

(۵) فقہ حنبلی کی رو سے اگر کوئی شخص پنجوقتہ فرض نمازوں کو ادا نہیں کرتا تو احباب اور رشتہ داروں میں اس کے ترک نماز کا چرچا کرنے کا حکم ہے۔ یہ حکم صرف فرض نماز کی حد تک ہے۔ سنن یا روزہ یا زکوۃ وغیرہ میں نہیں۔

(۶) اگر کسی کا نام معیوب ہونے کے باوجود بہت مشہور ہو اور وہ خود اس نام سے برا نہیں مانتا تو اُسے اس نام سے پکارنا جائز ہے جیسے ہمارے شہر میں چند سال قبل تک ایک نابینا حافظ صاحب رہا کرتے تھے۔ لوگ انہیں نابینا صاحب کے نام سے یاد کرتے تھے اور وہ بھی اس نام کا برا نہیں مانتے تھے۔ تاہم اس میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ لفظ غیر مہذب نہ ہو جیسے نابینا اور اندھا مترادف الفاظ ہیں لیکن نابینا صاحب کو اگر اندھے صاحب کہیں تو یہ غیبت میں داخل ہوگا۔ کیونکہ اندھا غیر مہذب لفظ ہے۔

باب ﴿۱۲﴾

حسد

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے ارشاد کے مطابق حسد بھی ان چیزوں میں شامل ہے جن سے دل کا نور ضائع ہو جاتا ہے ۔حسد کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں ۔چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا "الحسد یا کل الحسنات کما تاکل النار الحطب" (حسد نیکیوں کو ایسے ہی ملیا میٹ کر دیتا ہے جس طرح کہ آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے) (ابوداؤد بروایت ابوھریرہؓ، ابن ماجہ بروایت انسؓ) اور فرمایا "لاتحاسدوا ولاتقاطعوا ولاتباغضوا ولا تدابروا کونوا عباداللّٰہ اخوانا" (صحیحین) آپس میں حسد نہ کرو نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو نہ بغض رکھو نہ ناطہ توڑو (بلکہ) اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے حسد سے جلنے والا (دراصل) میری نعمت کا دشمن ہے اور وہ میرے فیصلے پر کڑھتا ہے ۔میں نے اپنے بندوں میں جو تقسیم کیا ہے وہ اس سے ناراض ہے[۱]

حدیث قدسی کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسد کرنا اللہ تعالیٰ کو کس قدر سخت ناگوار ہے ۔اللہ کے فیصلے پر کڑھنا اور اس کی مرضی پر ناراض ہونا صاحب ایمان کی نشانی نہیں ہو سکتی اس لئے حسد کی ہر شکل سے اپنے آپ کو بچانا مسلمان کا اولین فرض ہے ۔

حسد اور غبطہ میں فرق : حسد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو دوسرا شخص

---

[۱] اس حدیث قدسی کو متعدد علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن مجھے اس کی اصل نہیں ملی ۔

اس پر جلنے لگے اور اس کے زوال نعمت کا خواہاں ہو۔ ہاں اگر کوئی ویسی ہی نعمت کا خواہاں تو ہے لیکن اس کو حاصل نعمت کا زوال نہ چاہے تو یہ حسد نہیں بلکہ غبطہ کہلاتا ہے۔ اسی کو منافست بھی کہتے ہیں۔ یہ ناجائز نہیں۔ بلکہ اگر غبطہ دینی معاملہ سے متعلق ہو تو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن و مبارک ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے پاس مال و دولت ہے اور وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہے تو دوسرا شخص یہ آرزو رکھے کہ اگر میرے پاس بھی مال و دولت آ جائے تو میں بھی اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کروں۔ ایسی آرزو رکھنے والے کو محض حسن نیت کی وجہ سے انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا۔

حسد سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے صوفیاء اور علماء نے کئی طریقے بتائے ہیں جن کے منجملہ انتہائی موثر یہ ہے کہ موت کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔ حضرت ابو الدرداؓ کا قول ہے کہ جسے موت اکثر یاد رہتی ہے اُسے نہ حسد ہوتا ہے نہ خوشی۔ کیونکہ موت کی یاد کے سامنے ان کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

باب ﴿۱۳﴾

سلوک

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ''سلوک کی دس منزلیں ہیں:
(۱) تواضع (۲) صبر (۳) شکر (۴) قناعت (۵) عزلت (۶) خدا کی محبت
(۷) ذکر (۸) رضائے حق پر راضی رہنا (۹) خوف ورجا (۱۰) توکل
سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ سلوک کس کو کہتے ہیں اور سلوک کی منزل سے کیا مراد ہے؟
سیر اور سلوک کے معنی لغت میں راستہ چلنے کے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں سیر الی اللہ اور سلوک کے معنے یہ ہیں کہ نفس کی خواہشوں اور طبعی مقتضیات کے غلبہ کو مجاہدہ و ریاضت و طاعت و ذکر سے اتنا مغلوب و مضمحل کرنا کہ اللہ و رسولؐ کے احکام کے مقابلہ میں وہ ابھرنے نہ پائیں اور دل اللہ کی یاد میں مشغول اور اس کی طاعت میں سرگرم رہے۔ اور احکام شرعیہ اس کے لئے طبیعت بن جائیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ سلوک کہلاتا ہے۔ اور اس راستہ پر چلنے والا سالک۔

منزل کے لغوی معنٰی ہیں: ''اترنے کا مقام یا نازل ہونے کی جگہ یا ٹھہرنے کا مقام''

یہاں سلوک کی منزلوں سے مراد یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان منازل کو حاصل کیا جائے۔ جب تک مذکورہ دس منازل میں سے کوئی منزل حاصل نہ ہو منزل مقصود یعنی خدا تک پہنچنا ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر تواضع کے بغیر منزل مقصود حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے سالک کو تواضع کا پیکر بننا ہوگا اور اس کی ضد یعنی تکبر کی شکل اور ہر صورت سے

اپنے آپ کو بچانا ہوگا۔ اسی طرح دیگر منازل کا معاملہ ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ہر منزل کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرلی جائیں۔(ہر منزل پر علیحدہ باب میں بیان کیا جائے گا)

اس کے علاوہ حضور پیران پیر غوث اعظم دستگیرؒ نے سلوک کے تین رکن بھی بتائے ہیں فرماتے ہیں: "طریق سلوک کے تین رکن ہیں (۱) عدل (۲) حق (۳) صدق۔ عدل کا تعلق اعضائے ظاہری سے ہے۔یعنی ظاہری افعال و اعمال میں عدل اختیار کرنا۔حق کا تعلق عقل سے ہے اورصدق دل سے۔جس شخص نے اپنے رب کوصدق دل کے ساتھ طلب کیا تو اس کا سچ اس کے دل میں ایک ایسا آئینہ بن جائے گا کہ اس کو دنیا و آخرت کے عجائبات دکھائے گا (بہجتہ الاسرار)۔

مثال کے طور پر پہلی منزل تواضع اور پہلا رکن عدل ہے۔ اگر تواضع اختیار کرتے ہوئے عدل سے کام نہ لیا جائے تو یہ تواضع ذلت کا روپ دھار لیتی ہے۔جیسا کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں:"تواضع تکبر اور ذلت کے درمیان ہے۔یعنی تکبر یہ ہے کہ آدمی خود کو اپنے حقیقی درجہ سے بلند سمجھے اور ذلت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اتنا گرادے کہ اس سے خود اس کی حق تلفی ہو۔ اور تواضع ان دونوں کی درمیانی شکل ہے۔ اس معلوم ہوا کہ منازل سلوک کے ساتھ ساتھ ارکان سلوک کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص ان منازل سلوک پر سرسری اور سطحی سی واقفیت حاصل کرکے عمل کرے تو اس کو مقام صدق حاصل نہیں ہوگا۔صادق وہ ہے جو دین کی حقیقتوں کو اپنے دل سے طلب کرے اور اس پر یہ احوال بڑی مضبوطی کے ساتھ غالب اور مسلط ہوجائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون ۔ "پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک نہیں کیا۔ اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستے میں محنت اٹھائی۔

یہی صادقین ہیں۔" (سورہ الحجرات آیت ۱۵)

بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سلوک چار عناصر پر مشتمل ہے:

(۱) تزکیہ نفس (۲) تصفیہ قلب (۳) تخلیہ سر (۴) تجلیہ روح تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف کر کے اخلاق حمیدہ سے آراستہ کیا جائے۔

تصفیہ قلب سے مراد دل کو غیر اللہ سے منقطع اور بے تعلق کرنا ہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دنیا کی محبت دل سے نہ نکلے۔

تخلیہ سر سے مراد سر کی پاسبانی اس طرح سے کی جائے کہ غیر حق کا اندیشہ بھی داخل نہ ہونے پائے۔

تجلیہ روح سے مراد یہ ہے کہ روح کو ذوق وشوق کے ذریعہ مشاہدۂ حق کے انوار سے منور ومتجلی کیا جائے۔ (اس کتاب میں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے)۔

باب ﴿۱۴﴾

تواضع

اُردو میں عام طور پر تواضع کے معنٰی خاطر مدارات اور خوش اخلاقی کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں تواضع عاجزی اور انکسار سے پیش آنے کا نام ہے۔ صوفیہ کے نزدیک تواضع سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور اس کی راہ میں عاجزی اختیار کرتے ہوئے پوری طرح بندگی بجالانا ہے اس طرح کہ تکبر کا شائبہ دور دور تک نظر نہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”ماتواضع احد للّٰہ الا رفعہ اللّٰہ“ (مسلم بروایت ابوھریرہؓ) کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے عاجزی اختیار کی ہو اور حق تعالیٰ نے اُسے سر بلندی سے محروم رکھا ہو۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ...... ”کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے سر پر دو فرشتوں نے لگام نہ تھام رکھی ہو۔ جب وہ شخص تواضع کرتا ہے تو وہ فرشتے اس کی لگام اوپر کی طرف کھینچتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ بار خدایا اسے سر بلندی عطا فرمادے۔ اگر وہ تکبر و بڑائی سے کام لیتا ہے تو اس کی لگام نیچے کی طرف کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بار خدایا اسے ذلیل و سرنگوں کردے۔ (بزار بروایت انسؓ) اور فرمایا: ”جو کوئی تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک بلند کرتا ہے“ (بیہقی در شعب بروایت ابن عباسؓ) اور حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انتخاب کا اختیار عطا فرماتے ہوئے کہا کہ رسول و بندہ بننا چاہتے ہو یا رسول و بادشاہ؟ مجھے ذرا توقف ہوا۔ میرے دوست جبرئیل وہیں موجود تھے۔ انھوں نے جو مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو کہا کہ عاجزی اختیار کیجئے۔ تب میں نے عرض کیا کہ الٰہی میں چاہتا ہوں کہ رسول و بندہ رہوں۔

اور ایک حدیث شریف میں آپ نے فرمایا "الکرم التقوی والشرف التواضع والیقین الغنی" بزرگی تقویٰ ہے، شرف عاجزی ہے اور یقین تونگری ہے (ابن ابی الدنیا مرسلاً۔ حاکم نے اس کو بروایت حسن بن سمرہ سنداً نقل کیا ہے)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تم لوگ عبادتوں میں سے أفضل ترین عبادت کو بھولے رہتے ہو جسے عاجزی کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ تم جس کسی کو دیکھو اُسے اپنے آپ سے أفضل سمجھو۔ حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوکر پکارے کہ تم میں سے جو شخص بدترین ہے وہ باہر چلا آئے تو میں سب سے پہلے باہر نکل آؤں اور کوئی شخص میرے آگے نہ نکل سکے سوائے اس کے کہ مجھے زبردستی پیچھے دھکیل دیں۔ حضرت ابن مبارکؒ کا قول ہے کہ...... عاجزی کا تقاضہ یہ ہے کہ جو شخص دنیاوی مرتبہ کے اعتبار سے تم سے کمتر ہو۔ تم اپنے آپ کو اس سے بھی کمتر سمجھو۔ اور جو تم سے دنیاوی مرتبہ میں بالاتر ہو اس سے اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر رکھو تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ دنیاوی دولت و حشمت کی تمہاری نگاہوں میں کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ (امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یہ قوال نقل کئے ہیں)۔

باب ﴿۱۵﴾

صبر

صبر کی عظمت وفضیلت کا اندازہ تو اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ستر سے بھی زائد جگہ پر صبر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ چند آیتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا (السجدہ)

اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنادیئے جو ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے، جب انھوں نے صبر کیا۔

(۲) انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب (الزمر)

بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔

(۳) ما عندكم ينفد وما عند الله باق ولنجزين الذين صبروا اجرهم باحسن ما كانوا يعملون (النحل)

جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہوجائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے اور جو لوگ صبر کرتے ہیں۔ ہم ان کے اچھے کاموں کا اجر انہیں ضرور دیں گے۔

(۴) واستعينوا بالصبر والصلوة ان الله مع الصابرين (البقرہ)

صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

(۵) انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين (یوسف)

بے شک جو تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

صبر کی فضیلت میں احادیث شریفہ اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ علماء کرام نے صبر

کے فضائل پر ضخیم کتابیں تحریر کردی ہیں۔ چند احادیث بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

(۱) الصبر نصف الایمان (خطیب بروایت ابوسعیدؓ) صبر آدھا ایمان ہے۔

(۲) الصبر علی ماتکرہ خیرا کثیرا (ترمذی بروایت ابن عباسؓ)

جس چیز کو تم پسند نہیں کرتے اس پر صبر کرنے میں بہت بھلائی ہے۔

(۳) دنیا میں جب کسی ایماندار بندے کی کوئی پیاری چیز گم یا ضائع ہوجاتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور اس کو اپنے لئے باعث ثواب سمجھتا ہے تو خدائے تعالیٰ اُسے جنت عطا کرنے تک راضی نہیں ہوتا۔(نسائی)

(۴) حضرت عمرو بن عبداللہ نے دریافت کیا کہ ایمان کی علامت کیا ہے؟ ارشاد ہوا صبر اور سخاوت (احمد)

عام طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صبر صرف مصیبتوں میں کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کو صبر کی حاجت ہر وقت اور ہر حالت میں ہوتی ہے۔ انسان کو جو بھی صورت درپیش ہوتی ہے یا تو وہ خواہش کے مخالف ہوتی ہے یا خواہش کے موافق۔ خواہش کے مخالف صورت میں تو صبر سے کام لینے پر انسان مجبور ہی ہوتا ہے۔ اگر نعمتوں کی فراوانی کے زمانے میں صبر سے کام نہ لیا جائے تو دل عیش وعشرت اور غرور وسرکشی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ تکلیف و رنج پر صبر تو ہر کوئی کرلیتا ہے لیکن خوشحال وعافیت کے زمانے میں صبر کرنا صرف صدیقوں کا کام ہے۔ اس کے علاوہ گناہوں سے بچنا، نیکی کے راستے پر چلنا، ہر چیز صبر کی مرہون منت ہے۔ اس لئے صوفیہ نے کہا ہے کہ وجہ شہوات کے مقابلے میں وجہ دین پر ثابت قدم رہنے کا نام صبر ہے۔ حضور غوث اعظم دستگیرؒ فرماتے ہیں ''صبر نام ہے مصائب و ابتلا میں ثابت قدمی اور شریعت کے دامن کو پکڑے رہنے کا'' (قلائد الجواہر) مزید فرماتے ہیں ''تقدیر کے کڑوے فیصلوں کو کتاب و سنت کے احکام کی روشنی میں فراخ دلی کے ساتھ قبول وتسلیم کرنے کا نام صبر ہے'' (بہجۃ الاسرار)

باب ﴿۱۶﴾

شکر

شکر کی بے انتہا فضیلت ہے اور اس کا درجہ انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ذکر کے قریب تر رکھا ہے۔ جہاں اپنے ذکر کی فضیلت واضح کی ہے وہیں شکر کا ذکر بھی کیا ہے۔ فرماتا ہے:

فاذکرونی اذکرکم واشکرو لی ولاتکفرون (سورۃ البقرہ)

پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور میری شکرگزاری کرو اور ناشکری نہ کرو۔

شکر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال میں ایک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مایفعل اللّٰہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم' وکان اللّٰہ شاکرا علیما (سورۃ النساء)

اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو بڑا قدر دان اور خوب جاننے والا ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (سورۃ ابراہیم)

اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب سخت ہے

حدیث شریف میں ارشاد ہوا: **لیتخذ احدکم لسانا ذاکرا وقلبا شاکرا** تم میں ہر اک کو چاہیے کہ وہ ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل پائے۔

امام قشیریؒ کے نزدیک تقوے کا حق یہ ہے کہ اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور کفران نعمت نہ ہو (رسالہ قشیریہ)

شکر کا تعلق دل، زبان اور بدن تینوں سے ہوتا ہے:

دل سے اس طرح کہ ہر کسی کا خیر خواہ بنے اور کسی دوسرے کی نعمت پر حسد یا جلن ہرگز محسوس نہ ہو بلکہ جلنے کا خیال بھی دل میں نہ گزرے۔ کیوں کہ اگر دل میں جلن ہو تو یہ متصور ہوتا ہے کہ وہ نعمت آپ کو حاصل نہیں جس کے سبب آپ ناخوش ہیں اور اللہ کے فیصلے پر بھی ناخوشی شکر کے منافی ہے۔

زبان سے اس طرح کہ ہر حالت میں الحمدللہ کہے۔ کسی سے شکایت نہ کرے بلکہ جو جو نعمتیں میسر ہیں ان کو خوشی سے بیان کریں جیسا کہ حکم باری تعالیٰ ہے واما بنعمة ربک فحدث.

بدن سے اس طرح کہ ہر عضو کو نعمت الٰہی سمجھے اور انہیں اسی کام میں مشغول رکھے جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے۔ ہر نعمت پر ادائے شکر کا عملی طریقہ یہی ہے کہ بندہ اس نعمت کو اسی مصرف میں لائے جو حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس شخص یا ان افراد سے بھی اظہار تشکر کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حصول نعمت کا وسیلہ بنایا کہ لایشکر اللّٰہ من لایشکر الناس (جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا)۔

حضور غوث اعظم دستگیر فرماتے ہیں:

حقیقت شکر یہ ہے کہ بندہ خشوع و خضوع کے ساتھ انعام منعم کا اعتراف کرتا رہے اور اس کے احسانات پر نگاہ رکھ کر عجز و تشکر کے ساتھ منعم حقیقی کے حقوق کا تحفظ کرے (قلائد الجواہر)۔

حدیث قدسی ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔ اے ابن آدم! جس نے میری یاد کی اس نے میرا شکر ادا کیا اور جس نے مجھ کو بھلا دیا اس نے کفر کیا۔ (طبرانی)

باب ﴿۱۷﴾

قناعت

جو کچھ مل جائے اسی پر شاکر رہ کر مزید خواہشوں اور آرزوؤں سے بچنے کا نام قناعت ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به (مشکوٰۃ) تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشیں اس کے تابع نہ ہوجائیں جسے میں لے کر آیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے طوبی لمن هدی الی الاسلام وکان عیشه کفا فاوقنع به (بحوالہ احیاء العلوم) خوش بخت ہے وہ آدمی جسے اسلام کی راہ دکھائی گئی اور اس نے مال بقدر کفایت کی اور اسی پر قناعت کرلی۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا

یامعشر الفقراء اعطوا الله الرضی من قلوبکم تظفروا بثواب فقرکم والافلا (ابو منصور دیلمی در فردوس بروایت ابوھریرہؓ) اے درویش صدق دل سے فقیری پر راضی ہوجاؤ تاکہ تمھیں فقیری کا ثواب ملے ورنہ نہیں ملے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "طمع یعنی لالچ محتاجی ہے جب کہ لوگوں سے امید نہ رکھنا (یعنی قناعت کرلینا) تونگری ہے۔ اسی مفہوم کو راقم نے اس طرح نظم کیا ہے۔

بھلا کوئی دولت ہے ثروت کی دولت ‏ ‏ ‏ اگر ہے تو کچھ علم وحکمت کی دولت
مگر میری دانست میں وہ غنی ہے ‏ ‏ ‏ میسر ہے جس کو قناعت کی دولت

امام غزالیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ مجھے تلاش کرنا چاہتے ہو تو شکستہ دلوں کے پاس تلاش کرو۔ بار خدایا! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ درویش جو صبر کرتے ہیں اور قناعت کرتے ہیں۔

باب ﴿۱۸﴾

عزلت

عزلت کے معنیٰ تنہائی اور گوشہ نشینی کے ہیں ۔ جہاں چار لوگ ملتے ہیں وہاں آفتوں کا سامنا ہوجاتا ہے اور پھر خواہشوں اور منصوبوں میں گرفتار ہوکر آدمی ان چیزوں کی طرف راغب ہوجاتا ہے جو مقصود اصلی نہیں ۔ اس لئے سالک کے لئے گوشہ نشینی ضروری ہے ۔ اور اگر سالک خواہشوں کے دلدل میں نہ پھنسے اور غیر مقصود کی طرف راغب نہ بھی ہو تب بھی لوگوں کے ساتھ غیر ضروری میل ملاپ کی وجہ سے وہ قیمتی وقت کو ضائع کر بیٹھتا ہے ۔ اگر یہی وقت وہ گوشہ نشینی میں گزارے تو ذکر وفکر کے لئے اسے مکمل فراغت میسر آتی ہے جو بہت بڑی عبادت ہے ۔ ویسے تو دنیا میں رہ کر لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے ساتھ دلجمعی سے مشغول رہنا بھی یقیناً ممکن ہے لیکن یہ انتہائی دشوار کام ہے ۔ جو لوگ گوشہ نشینی کی افضلیت میں اختلاف کرتے ہیں ان کا یہ استدلال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اس لئے اتباع رسول میں گوشہ نشینی اختیار نہ کرنا ہی افضل ہے ۔ دراصل انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان نبوت سے پہلے غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی جہاں آپؐ ذکر وفکر میں مشغول رہا کرتے تھے ۔ جب آپ کو اعلان نبوت اور تبلیغ دین کا حکم ہوا تو آپ نے گوشہ نشینی ترک فرمائی ۔ ویسے میں نبی کریم ﷺ اس مقام عظیم پر فائز ہیں کہ آپ ظاہری طور پر خلق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی باطنی طور پر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہتے تھے ۔

ہاں ! یہ بات ضرور ہے کہ گوشہ نشینی کا مطلب رہبانیت یعنی دنیا کو پوری طرح ترک

کر دینا نہیں ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔عزلت کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اہل دنیا سے کسی قسم کا علاقہ نہ رکھنا اور نہ دنیا میں دل لگانا۔ اگر کسی دنیاوی عمل سے یاد الٰہی میں فرق آ جائے تو اس عمل کو ترک کر دینا۔ ساتھ ہی ساتھ خدائے تعالیٰ کے خیال میں جینا اور غور وفکر، مراقبہ کے ذریعہ اس سے لو لگائے رکھنا۔ اس کے لئے اگر خلوت کی ضرورت لاحق ہو تو تنہائی اختیار کر لینا چاہئے۔ یہ تمام اعمال حقوق العباد کا خیال رکھتے ہوئے انجام دیئے جاتے ہیں۔

علامہ ابن سیرینؒ کے نزدیک گوشہ نشینی بجائے خود ایک عبادت ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ توریت میں آیا ہے کہ جس نے قناعت کی وہ بے نیاز ہو گیا اور جس نے خلوت اختیار کی اسے سلامتی مل گئی۔ حضرت داود طائیؒ سے ایک شخص نے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا دنیا سے روزہ رکھ لے اور مرتے دم تک اسے مت کھول۔ اور لوگوں سے یوں دور رہ جس طرح شیر سے دور رہا کرتے ہیں۔ اسی لئے اکثر صوفیہ کرام لوگوں سے کنارہ کش رہ کر گمنامی کی زندگی گزارا کرتے تھے۔ حضرت امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کوئی میرے قریب سے گزرے تو مجھے سلام نہ کرے اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو کوئی میرا حال بھی پوچھنے کو نہ آئے۔ بقول شاعر ؎

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

باب ﴿۱۹﴾

خدا کی محبت

اللہ تعالیٰ سے محبت تمام مقامات سے اعلیٰ ترین مقام ہے بلکہ تمام مقامات کا ماحصل اور اصل مقصود یہی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ۔

یوں تو جو چاہے وہی صاحب محفل ہوجائے   بزم اس شخص کی ہے تو جسے حاصل ہوجائے

سلوک کا کمال یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت سالک کے دل پر اس طرح غلبہ حاصل کرلے کہ وہ سرتاپا اسی کا ہوکر رہ جائے۔ اگر یوں نہ ہوسکے تو کم ازکم اتنا تولازم ہے کہ یہ محبت باقی ہرچیز کی محبت پر غالب رہے۔ جب تک یہ منزل حاصل نہ ہوسلوک کی تکمیل ممکن ہی نہیں بلکہ ایمان بھی پورا نہیں ہوتا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: لایومن احدکم حتی یکون اللّٰہ رسولہ احب الیہ مما سواھما (بخاری بروایت انسؓ) (بندے کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو ان کے سوا باقی تمام چیزوں سے محبوب تر نہ رکھے۔)

اور خود اللہ تعالیٰ نے بطور تہدید ارشاد فرمایا:

قل ان کان اٰباء کم وابناوکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال نِ اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللّٰہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہ (سورۃ التوبہ)

(کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں' کنبے اور مال جوتم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور گھر جوتمھیں پسند ہیں' اگر تمھیں اللہ

اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے ۔) واضح رہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں' اس کے شعائر' اس کی نشانیوں سے محبت رکھنا بھی اللہ سے محبت رکھنا ہے بشرطیکہ محبت اللہ کے خیال سے ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

"اللھم ارزقني حبک وحب من احبک وحب مايقربني الى حبک واجعل حبک احب الي من الماء البارد" (اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرمانا اور ان لوگوں کی محبت عطا فرمانا جنھیں تجھ سے محبت ہے اور ہر اس چیز کی محبت عطا فرمانا جو تیری محبت میں مجھے قریب کر دے اور اپنی محبت کو میرے لئے ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنا دے۔)

بلکہ اس محبت کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ تمام اہل ایمان ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے محمد رسول اللّٰہ والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم (الفتح) (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔)

محبت الٰہی کی بعض اور علامتیں بھی ہیں جیسے:

(۱) موت سے کراہت نہ کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز کے مقابلہ میں اپنی پسندیدہ چیز کو نثار کر دے۔

(۳) جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ معلوم ہو اس سے ہرگز دستبردار نہ ہو اور جو چیز اس سے دوری کا باعث ہو اس سے لازماً کنارہ کش رہے۔

(۴) ذکر الٰہی کی تازگی و شگفتگی سے دل کبھی محروم نہ رہے۔

(۵) قرآن مجید اور انبیاء کرام کے بشمول ہر اس چیز کو دوست رکھے جسے اللہ کے ساتھ کسی بھی طرح کی مناسبت ہے۔

(۶) خلوت کے لئے بیقرار اور مناجات کے لئے مضطرب رہے۔ ارشاد ہے
كذب من ادعى محبتى حتى اذا جنة الليل نام عنى (جھوٹا ہے وہ شخص جو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور رات کی تاریکی چھا جانے کے بعد مجھ سے غافل ہو کر سو جاتا ہے۔ (جلاء الخاطر)

(۷) عبادت اس کے لئے آسان ہو۔ یہ نہیں کہ اسے ایک بوجھ یا دشوار کام تصور کرے۔

باب ﴿۲۰﴾

ذکر

تمام عبادات کا لب لباب اور اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے چاہے وہ نماز ہو کہ روزہ' تلاوت قرآن ہو کہ حج وعمرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الصلوة تنهي عن الفحشاء والمنكر ولذكر الله اكبر (سورہ العنکبوت)

بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے اور ذکر الٰہی بہت بڑی چیز ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون (سورہ الجمعہ)

اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

یعنی فلاح کی امید رکھتے ہو تو یاد رکھو کہ اس کی کلید یہی ہے کہ کثرت سے ذکر الٰہی کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

الذين يذكرون الله قياما وقعوداً وعلى جنوبهم (آل عمران)

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں۔ کھڑے بھی' بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔

نیز فرمایا: اذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفه ودون الجهر من القول بالغدو والأصال ولا تكن من الغافلين (سورۃ الانفعال)

اپنے رب کی یاد کیا کرو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور بلند آواز کے بجائے کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور غافلوں میں شامل نہ ہونا۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں (ابن ماجہ بروایت ابوھریرہؓ حاکم بروایت ابو دردؓ)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ (طبرانی بروایت معاذؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ تمام کاموں میں افضل ترین کام کونسا ہے؟ فرمایا ''یہ کہ جب تو مرے تو تیری زبان ذکر الٰہی سے تر ہو۔'' (ابن حبان' طبرانی' بیہقی بروایت معاذ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بندہ مجھ کو اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اسے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چلتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں (بخاری و مسلم' بروایت ابوھریرہؓ)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس کے لوگوں یعنی ملاء الاعلیٰ میں کرتا ہے (احمد و طبرانی' بروایت انسؓ)

مختصر یہ کہ ذکر کی فضیلت میں کثرت سے احادیث شریفہ مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنا ہر لحہ ذکر میں گزارے تاکہ سلوک کا طے کرنا اس کے لئے آسان ہوجائے۔

اول تو سالک کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ذکر محض زبان پر نہ ہو بلکہ حضوری قلب بھی

حاصل رہے ورنہ اس کا اثر ضعیف ہوگا۔لیکن اگر ذکر میں حضور قلب نہ ہو اور دل نہ لگے تو اس کی وجہ سے ذکر کا ترک کرنا شدید قسم کی غفلت ہے۔بعض ذاکر اس بات کی شکایت کر کے وسوسوں کی وجہ سے ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔یاد رکھنا چاہئے کہ وسوسوں کا آنا اور دل نہ لگنا ایک آفت ہے لیکن ذکر چھوڑ دینا آفت در آفت ہے۔یہ سوچنا چاہئے کہ دل اگر غافل ہے تو کم از کم زبان تو مشغول ہے۔اور پھر کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ وساوس کو دور فرما کر حضور قلب اور بیداری کا ذکر میسر فرمادے۔ اللہ پر کچھ دشوار نہیں اس لئے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

باب ﴿۲۱﴾

رضائے حق پر راضی رہنا

رضائے حق پر راضی رہنا محبت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے اور مقربین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔سلسلہ قادریہ میں تو رضائے الٰہی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو جنات عدن سے بڑھ کر فرمایا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: **ومساکن طیبة فی جنت عدن ورضوان من اللّٰہ اکبر** ۔ حدیث شریف میں آیا ہے: **من رضی من اللّٰہ بالقلیل من الرزق رضی اللّٰہ تعالٰی منه بالقلیل من العمل** ۔ جو شخص اللہ سے تھوڑی سی روزی پر راضی ہوجائے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے سے عمل سے راضی ہوجاتا ہے(ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت علی مرتضیٰؓ)

حضور غوث اعظم دستگیرؒ فرماتے ہیں: **کن کالمیة فی یدالغسال وکن کالکرة تحت صولجان الفارس** (غسال کے ہاتھ میں میت کی طرح ہوجاؤ اور پولو کھلاڑی کے بیاٹ کے نیچے کی گیند کی طرح ہوجاؤ) یعنی کوئی ارادہ نہ رکھو اور خدا کی رضا پر پوری طرح راضی ہوجاؤ۔ مزید فرماتے ہیں: مشیت خداوندی کے آنے پر تو بے قرار مت ہو اس لئے کہ کوئی روکنے والا اس کو روک نہیں سکتا۔ہر تقدیر کا فیصلہ ہو کر ہی رہتا ہے چاہے اس سے کوئی رضامند رہے یا نہ رہے(جلاء الخاطر)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: میں اسی پر راضی ہوں جو میری تقدیر میں ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔لوگوں نے پوچھا کہ آخر آپ خود بھی تو کچھ چاہتے ہوں گے؟ فرمایا' ہاں میں چاہتا ہوں مگر وہی جو مقدر ہو چکا ہے ۔

آرزو ہے کہ آرزو نہ رہے آرزو ہو کے آرزو نہ ہوئی (احمد حنبلی)

حضرت ابوبکر شبلیؒ سے کسی نے تصوف کے متعلق پوچھا تو فرمایا: التصوف جلوس مع اللّٰہ بلاھم (تصوف رضائے الٰہی پر بے ارادہ ہوکر قائم رہنے کا نام ہے)۔ حضرت خواجہ محبوب اللّٰہؒ فرماتے ہیں ؎

تیغ سر پر جو لگی ہوگئی سر پیچ مجھے
وار آیا جو گلے پر اُسے مالا سمجھا

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں ؎

گر ہوش میں لاتے ہیں تو آجا
دیوانہ بناتے ہیں تو بن اب

الغرض حق تعالیٰ جس حال میں رکھے اسی حال میں خوش رہنے کا نام رضائے الٰہی ہے۔ بقول فصاحت جنگ جلیل ؎

نہ خوشی اچھی ہے اے دل نہ ملال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت سری السقطیؒ سے پوچھا کہ کیا حق تعالیٰ سے محبت کرنے والا مصیبت پہ غمزدہ ہوتا ہے؟'' فرمایا ''ہرگز نہیں'' میں نے کہا ''اگر اُسے تلوار سے ماریں تو''؟ فرمایا ''تب بھی نہیں چاہے ستر جگہ زخم لگا کر اُسے چھلنی کردو وہ رنجیدہ وغمناک نہیں ہوگا''

حکایت ہے کہ ایک شخص جنگل میں رہا کرتا تھا اور ہر بات پر یہی کہتا تھا کہ بس بہتری اسی میں ہے۔ اس کے پاس ایک کتا تھا جو گھر کی رکھوالی کرتا تھا۔ ایک گدھا بوجھ لانے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ ایک مرغ تھا جو صبح کے وقت بیدار کیا کرتا تھا۔ ایک دن بھیڑیا نکل آیا اور اس نے گدھے کو پھاڑ ڈالا۔ اس شخص نے کہا بھلائی اسی میں ہے۔ دوسرے دن اُس کے کتے نے مرغی کو مارڈالا۔ اس نے پھر وہی کہا بھلائی اسی میں ہے۔ پھر جلدہی وہ کتا بھی کسی وجہ سے مرگیا۔ اس نے پھر وہی کہا۔ یہ بات اس کی بیوی اور بچوں کو ناگوار گزری۔ انھوں نے کہا کہ جو نقصان بھی ہوتا ہے آپ اس کو یہی کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ بھلائی اسی میں ہے۔ ہمارا جو اتنا نقصان ہوچکا ہے آخر اس میں کون سی بھلائی ہوسکتی ہے۔ اس نے جواب دیا تم لوگ کچھ بھی

کہو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے بھلے کے لئے ہی ہوتا ہے اس لئے راضی برضا رہنے ہی میں بہتری ہے۔ اگلے روز جب یہ لوگ نیند سے بیدار ہوئے تو اردگرد سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اِدھر اُدھر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ رات میں ڈاکو آئے تھے اور سارا سامان اڑا لے گئے اور جتنے لوگ آباد تھے سب کو قتل کر دیا اور ان کا گھر اس لئے بچ گیا کہ ڈاکوؤں کو ان کے گھر سے نہ کتے کے بھونکنے کی آواز آئی نہ مرغ کی بانگ سنائی دی۔ اس شخص نے اپنی بیوی اور بچوں سے کہا دیکھا تم نے ہر کام میں جو بہتری اور مصلحت ہوتی ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے۔ انسان تو خواہ مخواہ بلا سوچے سمجھے بے قرار ہونے لگتا ہے۔

باب ﴿۲۲﴾

خوف و رِجا

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''خدا سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور اسی سے امید رکھنا سلوک کی نویں منزل ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ خوف و رجا کی حیثیت سالک کے دو بازوؤں کی سی ہے کہ جن جن مقامات بلند تک اس کی رسائی ہوتی ہے' انہی کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ گھاٹیاں جو بندہ کو حجاب میں رکھے رہتی ہیں اتنی اونچی ہیں کہ جب تک امید پختہ اور طلب سچی نہ ہو اس وقت تک ان اوگھٹ گھاٹیوں کو عبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ دوزخ کے راستہ پر واقع شہوات و خواہشات ایسی پُرفریب' پُرکشش اور رنگا رنگ ہیں کہ ان کے پیچ در پیچ جال سے بچنا اس وقت تک محال ہے جب تک کہ دل پر خوف پوری طرح طاری نہ ہو۔ اسی سبب سے خوف و رجا کو زبردست فضیلت حاصل ہے۔ خوف تازیانہ ہے تو رجا لگام ہے۔ بلکہ آجکل کے حساب سے یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ خوف accelarator ہے اور رجا break ہے۔ accelarator کے بغیر سواری آگے نہیں بڑھ سکتی اور break کے بغیر قابو میں نہیں آسکتی۔ اسی لئے سلوک کے راستہ میں دونوں کا ایک ساتھ ہونا لازم ہے لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں خوف الٰہی کی عدم موجودگی عصر حاضر کا ایک المیہ بن گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگ خوف کے تصور اور خشیت کی کیفیت سے قطعاً عاری ہوچکے ہیں۔ اگر ہم آیات قرآنیہ' احادیث نبویہ اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں اور اولیائے کبار کے معمولات کا جائزہ لیں تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔

روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تو (خوف الٰہی کے سبب) آپ کے سینے میں ایسا جوش سنائی دیتا تھا جیسے ہنڈیا کے ابلنے کے وقت سنائی دیتا ہے (ابوداؤد وترمذی ونسائی) اور بخاری شریف میں بھی ایک روایت قریباً اسی مضمون کی بیان ہوئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا یہی رنگ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں پر بھی غالب تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب کسی پرندے کو دیکھتے تو خوف الٰہی کے سبب فرماتے ''اے کاش میں بھی تیری ہی طرح ہوتا (یعنی پرندہ ہوتا جسے حساب کتاب سے گزرنا نہیں ہے)۔ حضرت عمرؓ جب قرآن پاک کی کوئی آیت سنتے تو بے ہوش ہوجاتے اور کئی کئی دن بیمار رہتے اور ہر بار زبان پر یہی الفاظ جاری رہتے تھے کہ اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حالات میں ہے کہ آپ رات رات بھر عذاب الٰہی کے خوف سے روتے رہتے تھے۔ عذاب الٰہی کے متعلق کوئی آیت سن لیتے تو اپنی داڑھی پکڑ کر ایک مجرم کی طرح بارگاہِ الٰہی میں معافی مانگتے کہ الٰہی اپنے مجرم ابوحنیفہ کو معاف کردے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ بارخدایا خوف کا ایک دروازہ مجھ پر کھول دے۔ میری دعا تو قبول ہوگئی لیکن پھر میں ڈرا کہ کہیں میری عقل زائل نہ ہوجائے۔ پس دعا کی کہ مالک اس دروازہ کو میری تاب وتواں کے مطابق کھول۔ تب کہیں جاکر مجھے سکون نصیب ہوا۔ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید عثمان حسینی فائق قدس سرہٗ کے حالات میں ہے کہ آپ کمرہ کا دروازہ بند کرکے لکڑیوں کے گٹھے سے اپنے آپ کو مارا کرتے تھے۔ ایک شعر میں فرمایا ؎

یارب تیری عطا کو اطاعت سے کیا غرض مجرم ہوں اپنے فضل سے کر مجھ کو سرفراز

جن کی ساری زندگیاں بندگی اور اطاعت میں گزری ان کے خوف کا یہ عالم ہے اور ادھر ہم بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہماری زندگیوں کے شب وروز بغاوت، سرکشی، لالچ اور طلب دنیا جیسے شیطانی پھندوں میں الجھے ہوئے ہیں لیکن خوف کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں ہے۔

اس کا بنیادی سبب حقیقت سے بے خبری ہے۔ جس کو جتنا علم و معرفت حاصل ہے وہ اسی قدر خوف بھی رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء (سورۃ الفاطر) اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے صرف علماء ہوتے ہیں۔ اور فرمایا: "ولمن خاف مقام ربہ جنتان" (الرحمٰن) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس لئے جنت میں دو باغ ہوں گے۔ اور فرمایا رضی اللّٰہ عنھم ورضو عنہ ذٰلک لمن خشی ربہ (سورۃ البینۃ) اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ مرتبہ اسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لایلج النار احد بکی من خشیۃ اللّٰہ حتی یعود اللبن الضرع (ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوھریرہؓ) وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا جو خوف خدا کی وجہ سے روتا ہے یہاں تک کہ دودھ پستان میں لوٹ جائے۔ مطلب یہ کہ جس طرح دودھ کا پستان میں واپس ہونا ممکن نہیں ہے اسی طرح خوف الٰہی سے رونے والے کا جہنم میں جانا ممکن نہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ خوف کو اپنے آپ پر اس قدر غالب نہ ہونے دے کہ نا امیدی اور مایوسی پیدا ہو جائے۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ کسی شخص کو کثرت گناہ کے باعث نا امید دیکھا تو غصہ کے عالم میں فرمایا: نا امید کیوں ہوتا ہے؟ اللہ کی رحمت تیرے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کے بعد استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! دیکھو یہ ہمارا بندہ ہے۔ اس سے گناہ سرزد ہو گیا ہے لیکن یہ استغفار کر رہا ہے۔ گویا اسے معلوم ہے کہ اس کا کوئی مالک بھی ہے جو اس کے گناہوں پر اس کی گرفت بھی کرسکتا ہے اور پھر اسے بخش بھی سکتا ہے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا (بخاری و مسلم، بروایت ابوھریرہؓ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من

رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم ( ) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (یعنی گناہ کئے) اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

امام بوصیریؒ فرماتے ہیں ۔

یا نفس لاتقنطي من زلة عظمت ان الکبائر في الغفران کاللمم

(منظوم ترجمہ)

یوں تو عصیاں ہیں بڑے اے نفس مت مایوس ہو سامنے بخشش کے بے شک ہیں یہ ادنیٰ و کم

غرض خوف و رجا میں اعتدال کا ہونا لازمی ہے۔ صرف خوف نا امیدی کی طرف لے جاتا ہے جو کہ کفر ہے اور صرف رجا گمراہی ہے۔ اسی لئے خوف و رجا کو ایک ہی منزل قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ اچھے اور پسندیدہ اعمال کے ساتھ امید رجا کہلاتی ہے گناہ اور سرکشی کے کاموں پر مصر رہ کر امید رکھنا رجا نہیں بلکہ اُمنیہ ہے جس کے معنٰی جھوٹی امید کے ہیں اور اس کا سلوک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

باب ﴿۲۳﴾

توکل

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے ارشادات کے مطابق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا سلوک کی دسویں منزل ہے' حضور غوث الاعظم دستگیرؒ نے ارشاد فرمایا: میں صرف دو ہی چیزوں کو (روح کی) غذا سمجھتا ہوں ۔(۱) شریعت کی پابندی (۲) توکل (جلاء الخاطر)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو توکل کی تاکید فرمائی اور اسے شرط ایمان قرار دیا ہے ۔فرمایا **توکل علی اللّٰہ ان کنتم مومنین** ( ) اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور فرمایا **ان اللّٰہ یحب المتوکلین** (آل عمران) بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے ۔ اور فرمایا **ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ** (سورہ الطلاق) جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے ۔ اور اس مضمون کی آیتیں کلام اللہ میں بہت سی ہیں ۔

توکل دراصل احوال دل میں سے ایک حالت کا نام ہے اور اس کے معنٰی یہ ہوتے ہیں کہ کارساز حقیقی پر صدق دل سے اعتماد اور بھروسہ کیا جائے اور پھر اس اعتماد کو ہمیشہ مضبوط اور برقرار رکھا جائے تا کہ دل تشویش اور الجھن کا شکار ہونے کے بجائے ہمیشہ آرام' سکون اور اطمینان سے رہے ۔ اور روزی کے خیال میں نہ اٹکا رہے اور اگر ظاہری اسباب و ذرائع میں کوئی کمی یا خرابی واقع ہو بھی جائے تو اس سے حوصلہ نہ ہار بیٹھے بلکہ حق تعالیٰ پر اعتماد رکھتے ہوئے خاطر جمع رکھے کہ روزی تو اسی کو پہنچانا ہے اور وہ ضرور پہنچائے گا ۔ اگر اسباب میں خلل اس نے پیدا کیا ہے تو دور کرنے والا بھی وہی ہے ۔ اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ جو کچھ ہے خدا ہے' اس کے سوا

کوئی دوسرا فاعل حقیقی نہیں۔خواجہ محبوب اللہ فرماتے ہیں۔

جو چاہتا خالق ہے وہی ہوتا ہے اے غافل　　　خلقت سے مرا سود وزیاں ہو نہیں سکتا

دنیا عالم اسباب ہے اس لئے بندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہری اسباب حتی المقدور پورے کرے لیکن اعتماد اسباب پر نہ رکھے۔

اسباب یقیناً پورے کر' اس بات پر رکھ ایمان مگر
جو تجھ کو میسر ہوتا ہے' وہ تجھ کو میسر ہوتا ہے (احمد حنبلی)

توکل کے لئے جہاں قوت یقین درکار ہے وہیں قوت دل بھی لازم ہے تاکہ دل میں کسی قسم کا اضطراب باقی نہ رہے۔کیونکہ توکل کا مطلب ہی اعتماد دل ہے۔جب تک دل میں اطمینان اور طبیعت میں آرام وسکون نمایاں نہ ہو اس وقت تک آدمی کو صاحب توکل نہیں کہہ سکتے۔

باب ﴿۲۴﴾

صحبت

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے سلوک کی دس منزلیں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب ترقی کے مقامات ہیں یعنی ان منازل سے گزرنے کے بعد سالک ترقی حاصل کرتا ہے اور منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوجاتا ہے لیکن ساتھ ہی حضرت قدس سرہٗ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ ''سب کا خلاصہ اچھوں کی صحبت میں ہے۔ جو مرید کہ طلب کے بعد بھی پھر اپنی قدیم صحبتوں کو نہ چھوڑے وہ فیض سے بالکل محروم ہے۔''

یاد رکھے کہ منازل سلوک کا طے کرنا فیض کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سلوک کی منزلیں طے کرنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ فیض کے حصول کی کوشش کرے اور اس کے لئے بری صحبتوں سے دور رہنا لازم ہے۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آدمی کے خیالات' نظریات' اعمال اور اخلاق پر اچھی اور بری صحبت کا اثر پڑتا ہے۔ اچھی صحبت انسان کو اچھا اور بری صحبت برا بنادیتی ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہوا: کونوا من الصادقین (صادقین کے ساتھ ہوجاؤ یعنی ان کی صحبت اختیار کرو)۔ حدیث شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اچھے ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک اٹھانے والا اور دھونکنی پھونکنے والا' مشک اٹھانے والا یا تو تم کو کچھ دے گا یا تم اس سے کچھ خریدو گے یا اس کی خوشبو ہی پاؤ گے اور دھونکنی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا تم اس سے بُری بو پاؤ گے (بخاری ومسلم)

مزید فرمایا: ''برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے اور اچھا ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے'' (بیہقی)

اور فرمایا: ''نہ ساتھ رہو مگر مومن کے اور نہ کھائے تمہارا کھانا مگر متقی (ترمذی)۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ فرماتے ہیں ''جس کسی نے مرتبہ پایا اور جس کسی نے کچھ نعمت پائی نیکوں کی صحبت ہی کے سبب پائی۔''

اور فرمایا: '' اچھے آدمی کی صحبت میں بیٹھنا نیکی کا کام کرنے سے بہتر ہے جب کہ برے آدمی کی صحبت اختیار کرنا برا کام کرنے سے بدتر ہے (دلیل العارفین)۔

اکابر صوفیہ کا قول ہے کہ سالک صحبت بد سے اس طرح پرہیز کرے جس طرح بیمار پانی سے پرہیز کرتا ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

صحبتے یک ساعتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء کے ساتھ ایک گھنٹہ کی صحبت ریا سے پاک سوسالہ عبادت سے بہتر ہے۔

ایک اور مقام پر یہ فرماتے ہیں ۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

نیک آدمی کی صحبت تجھے نیک بناتی ہے اور برے آدمی کی صحبت بُرا بناتی ہے۔شیخ ابن عطاء اللہ اسکندریؒ کہتے ہیں کہ ''برا آدمی اس سے بُرے آدمی کی صحبت میں نیک سمجھا جاتا ہے اس لئے ایسے شخص کی مجالست اختیار نہ کرو'' (الحکم) اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو لازم ہے کہ جو شخص دین میں اپنے سے بہتر ہے اسی کی صحبت اختیار کرے تاکہ اس کی صحبت میں اپنے عیوب ظاہر ہوں گے اور وہ اصلاح کی طرف راغب ہوگا۔برخلاف اس کے اگر اپنے سے بدتر کی صحبت اختیار کرے گا تو باوجود اپنے گناہوں کے اپنا نفس نیک معلوم ہوگا۔اس سے نفس میں یہ بات پیدا ہوگی کہ میں اچھا ہوں۔اگر یہ بات پیدا ہوجائے تو نفس کے عیوب ظاہر نہیں ہوں گے اور خواہ مخواہ خود پسندی پیدا ہوجائے گی۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ سالک کے لئے اچھی صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز نفع دینے والی نہیں ہے اور بری صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان پہنچانے والی نہیں اسی لئے حضرت محبوب اللہؒ نے فرمایا ''سب طرح کا فساد اپنے جیسے غافلوں کی صحبت میں ہے'' البتہ کوئی مجبوری ہوتو ان سے ملاقات میں حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت نے واضح فرمایا: ''ضرورت کے قدر اُن سے ملنا ناچاری ہے۔ اس سے بڑھ کر جائز نہیں۔

باب ﴿۲۵﴾

استمداد و انابت

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے کام میں ہر وقت اللہ سے مدد چاہے اور ہر سبب کو جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہئے۔'' اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو اس بات کی عادت ڈال لینی چاہئے کہ ہر معاملہ اللہ کے سپرد کردے اور جو کچھ طلب کرنا ہے اسی سے طلب کرے اور یقین رکھے کہ دینے والا حقیقت میں وہی ہے۔ دنیا میں کسی چیز کے حصول کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں وہ محض اسباب کی تکمیل کے دائرے میں آتے ہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے اس لئے اسباب کی تکمیل ہماری ذمہ داری ہے لیکن دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لئے ہر کام میں صرف اسی سے مدد طلب کی جانی چاہئے اور اگر کوئی سبب ایسا پیدا ہوجائے جس کی وجہ سے خدا سے دوری ہوتی ہو تو سبب کو ہی ختم کردینا چاہئے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ خدا مسبّب ہے اور مسبّب سے بڑھ کر سبب نہیں ہوسکتا۔ ویسے بھی ایاک نعبد وایاک نستعین اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ حتی المقدور ایک دوسرے سے مدد طلب کرنے سے بچنا چاہئے۔ صحابہ کرام کی سیرت میں ہے کہ اگر کوئی صحابی گھوڑے پر بیٹھے ہوتے اور ان کی کوئی چیز نیچے گر جاتی تو وہ صحابی نیچے والے شخص کو اٹھا کر دینے کے لئے بھی نہیں کہتے تھے کیونکہ یہ مدد طلب کرنا ہے بلکہ خود نیچے اتر کر لیتے تھے۔ یہ صحابہ کرام کا احتیاط تھا۔

صوفیائے کرام کی تعلیمات میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تمام تر توجہ صرف اور صرف اللہ کی طرف ہو۔ کیونکہ ہر شئے کا مصدر و مبتدا' مرجع و ملجا وہی ہے۔ چناں چہ

قرآن مجید میں آیا ہے الیہ یرجع الامر کلہ (تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں) و نیز ارشاد باری ہے الی ربک منتھٰھا (ہر کام کا منتہا تمہارے رب کی طرف ہے)۔پس غیر اللہ کی طرف سے رغبت ختم کرکے خود کو رب حقیقی کی طرف رجوع کر لینے کا نام ہی انابت ہے اور انابت کی دولت کا حصول شریعت محمدیؐ کے اتباع کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ شریعت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں۔ اتباع سنت ہی میں ہر قسم کی بھلائی مضمر ہے۔''

مزید فرماتے ہیں:

''یقین کرے کہ جو کچھ بھلائی ہے خدا کا حکم بجالانے میں ہے اور جس قدر برائی ہے لوگوں کی رائے پر چلنے میں ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ جو خدا کے منشا و مرضی کو نظر انداز کرکے لوگوں کی خوشنودی کی فکر کرے گا یا اُن کی رائے پر چلے گا وہ گویا بھلائی کو نظر انداز کرکے برائی کو فوقیت دے رہا ہے یعنی تباہی و بربادی کا سامان اکٹھا کر رہا ہے۔دنیا کے لوگوں کا حال تو ایسا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ؎

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند روز و شب در زق زق و در بق بق اند

دنیا والے یعنی دنیا کے طلب گار گویا کافر ہیں جو اپنے قیمتی شب و روز لہو لعب اور زق زق و بق بق میں گزار دیتے ہیں۔ان کے مشورے الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس کے زمرے میں آتے ہیں۔یہ لوگ ایسا اظہار ہمدردی کرتے ہیں جیسے ہماری کامیابی و نجات ان کی زندگی کا مقصد ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر کسی کو اپنی پڑی ہے۔ہر شخص کو اپنا مطلب اور اپنا مفاد عزیز ہے۔وہ دنیا جس نے رسول اللہؐ کے نواسوں کے ساتھ غداری کی ہو ہماری اور تمہاری کیا ہو سکتی ہے؟ ایسی دنیا اور ایسے دنیا والوں کے لئے خدا کا راستہ چھوڑ دینا کون سی عقلمندی ہے؟ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے واضح فرمایا:

''اس زمانے میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو مسلمان کو سیدھا راستہ بتائے ۔ ہر ہر شخص اپنے اپنے خبط میں گرفتار ہے ۔''

حضرت کے اس جملے کو اہل دنیا پر منطبق کر کے دیکھیں تو قدم قدم پر اس دعوے کی حقانیت سامنے آئے گی ۔ ہر ایک شخص اپنے خبط میں گرفتار ہے ۔ ہر شخص یہی سمجھا ہوا ہے کہ وہی راہ راست پر ہے ۔ ہر شخص اسی غلط فہمی کا شکار ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہی وقت کی ضرورت ہے ۔ ہر شخص کا یہی نظریہ کہ جو کچھ وہ سوچ رہا ہے وہی عقلمندی کی بات ہے ۔ الا ما شاء اللّٰہ ۔

اس لئے لوگوں کی رائے پر چل کر بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی ۔

باب ﴿۲۶﴾

مرشد اور رفیق راہِ خدا

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے لوگوں کی رائے پر چلنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’اس سے بہتر یہ ہے کہ سوائے اپنے مرشد اور رفیق راہِ خدا کے کسی کی نہ سنے۔‘‘ اس لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ مرشد کون ہوتا ہے اور مرشد اور رفیق راہ خدا میں کیا فرق ہے؟

مرشد وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہوئے یہ عہد کیا جاتا ہے کہ آئندہ گناہوں سے کنارہ کش ہوتے ہوئے خدائے تعالیٰ کے راستے پر چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عٰھد علیہ اللّٰہ فسیوتیہ اجرا عظیما ۔ (اے نبی) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس جو عہد کو توڑ دیتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد پر وفاداری سے رہے گا تو عنقریب اللہ اس کو اجر عظیم عطا کرے گا۔

بیعت کے معنی بیچ دینے کے ہیں۔ گویا بیعت کرنے والا اپنے آپ کو مرشد کے ہاتھ پر بیچ دیتا ہے گویا اللہ کے ہاتھ پر بیچ دیتا ہے۔ پھر مرشد دین اور طریقت کو مرید کے دل میں راسخ و پیوست کر دیتا ہے اور وقتاً فوقتاً مرید کی رہبری کرتا ہے تا کہ وہ سلوک کا راستہ طئے کر سکے۔ اس لئے ہر شخص مرشد بنائے جانے کے لائق نہیں ہوگا۔ مرشد میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) قرآن و حدیث کا عالم ہو اور صحیح العقیدہ ہو۔

(۲) دنیا اور جاہ و مال کی محبت اس کے دل میں نہ رہے۔

(۳) ایسے بزرگوں سے اجازت وخلافت حاصل کئے ہوئے ہو جن کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔

(۴) جو اپنے مرشد کے حکم کے مطابق ریاضت ومجاہدہ کر چکا ہو۔

(۵) مکارم اخلاق اور حسن ادب سے متصف ہو۔ خلاف شرع کوئی بات کسی صورت میں اس کے زبان سے نہ نکلے۔

(۶) دانشمند یعنی صاحب عقل ہونا کہ مریدوں کے مزاج کے مطابق ان کے اخلاق ذمیمہ اور عیوب کی کیفیات کا پتہ چلا سکے وغیرہ۔

یہ مرشد بنانے کے بنیادی شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط کسی میں نہ پائی جائے تو وہ مرشد بنائے جانے کا اہل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض بزرگوں نے کئی باتوں کا اضافہ کیا ہے جیسے کریم ومہربان، صابر وبردبار، ترش مزاج نہ ہو، مریدوں کی کثرت کا خواہشمند نہ ہو، مکاشفات، معائنات اور مشاہدات سے گزر کر، فناء الفنا اور بقاء البقا سے پیوست ہو، کھانا کم، سونا کم، بات کرنا کم، اس کی عادت ہو، چہرے پر انوار دمک رہے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام شیخ کامل کی شرائط ہیں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے بھی ارشاد فرمایا: ''مرشد وہی ہے جو اپنے مریدین کو ایسے دیکھے جیسے اپنے بیٹے کے بال دیکھتا ہے۔'' (گلدستہ تجلیات)۔ لیکن ہر زمانے میں ایسے شیوخ کی تلاش بہت مشکل رہی ہے اور ہمیشہ مشکل رہے گی۔ اس لئے مشائخ کبار نے اس امر میں اتنی اجازت دی ہے کہ شیخ کے بنیادی شرائط کسی میں پائے جائیں اور دل اس کی طرف پوری طرح راغب ہو تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر کوئی ان صفات کا متحمل نہیں تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اپنے آپ کو برباد کر لینا ہے۔ جب کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ مرشد کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھے۔ مرشد کے سوا کسی

اور سے اپنے باطنی حالات و کیفیات بیان نہ کرے اور نہ روحانی معاملات میں مرشد کی بات پر کسی اور کی بات کو ترجیح دے۔ یہی مطلب ہے حضرت محبوب اللہؒ کے ارشاد کا کہ سوائے اپنے مرشد اور رفیق راہ خدا کے کسی کی نہ سنئے۔ اب رہا یہ سوال کہ مرشد اور رفیق راہ خدا میں کیا فرق ہے تو اس سلسلے میں مختلف لوگوں کے مختلف قول ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہر شخص جس کو اپنے مرشد سے اجازت وخلافت حاصل ہے اپنے لئے وہ رفیق راہ خدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مرشد نے جس کسی کو اپنا قائم مقام یا جانشین بنایا ہے وہی رفیق راہ خدا ہے۔ بعض حضرات نے یہ کہا کہ تمام اہل سلسلہ ایک دوسرے کے لئے رفقاء راہ خدا ہوتے ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے ایک سے زائد شیوخ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں ایک شیخ مرشد کہلائے گا اور باقی تمام رفقائے راہ خدا۔ لیکن راقم کے خیال میں رفیق راہ خدا کی سب سے بہترین تعریف وہی ہے جو بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی حسرتؒ نے کی ہے۔ ویسے بھی چوں کہ حضرت بحر العلوم حضرت محبوب اللہؒ کے تربیت یافتہ رہے ہیں اس لئے ان کا قول حضرت کے دامن اقدس سے وابستہ تمام لوگوں کے لئے دیگر شیوخ کے قول کی بہ نسبت زیادہ معنی رکھتا ہے۔

حضرت بحر العلوم فرماتے ہیں: ''بعض لوگ کسی اچھے اور تجربہ کار مذہبی شخص سے دوستی پیدا کر لیتے ہیں اور اس کے نیک مشوروں کو سنتے اور عمل کرتے ہیں۔ ایسے شخص کو رفیق راہ خدا کہا جاتا ہے۔ ایسا شخص مرشد تو نہیں مگر مشیر ضرور ہوتا ہے۔'' (نظام العمل فقراء)

رفیق راہ خدا کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے دو شرائط کی پاسداری ضروری ہے۔

(۱) مرشد کی غیر موجودگی میں ہی اس کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔ مرشد کی موجودگی میں رفیق راہ خدا کے مشورے کی اہمیت نہیں ہوتی۔

(۲) رفیق راہ خدا کا کوئی بھی مشورہ مرشد کے کسی قول، فعل یا نظریہ سے متصادم نہ ہو۔ اگر مرشد اور رفیق راہ خدا کے اقوال میں تضاد نظر آئے تو مرشد کا قول قابل قبول ہوگا۔

باب ﴿۲۷﴾

سلام

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا ''سلام سنت اسلام اور شرع کی بہت عمدہ بات ہے۔ اس کا ترک کرنا برا ہے۔ ابتداءً تو سنت ہے اور جواب فرض ہے۔''

واضح رہے کہ سلام دراصل ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دینا ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اس لئے یہ حکم دیتا ہے کہ جب آپس میں ملاقات ہو تو ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: افشوا السلام (سلام کو پھیلاؤ)۔ اور فرمایا للمومن علی المومن ست خصال یعودہ اذا مرض ویشھد اذا مات ویجیبہ اذا دعاہ ویسلم علیہ اذا لقیہ ویشمتہ اذا عطس و ینصح لہ اذا غاب او یشھد (ایک مومن کے لئے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں: جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے، جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے پاس حاضر ہو، جب وہ دعوت دے تو اس کو قبول کرے، اب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، جب وہ چھینکے تو اس کا جواب (یعنی چھینک کر الحمد للہ کہے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے) اور جب بھی وہ غائب یا حاضر رہے تو اس کی خیر خواہی کرے (زجاجۃ المصابیح بروایت ابوھریرہؓ)

عند الملاقات ہی نہیں بلکہ وقت رخصت بھی سلام کرنے کا حکم ہے۔ ویسلم علی القوم حین یدخل علیھم ویفارقھم (درمختار جلد ۵)

سلام کی بنیادی شرعی حیثیت سنت کی ہے۔ جو سلام کرے گا وہ سنت کا ثواب پائے گا اور جو نہ کرے گا وہ اس ثواب سے محروم رہے گا البتہ سلام کا جواب (فقہ حنبلی کی رو سے) فرض ہے

(اور فقہ حنفی میں اس کو واجب قرار دیا گیا ہے ہر صورت میں) سلام کا جواب نہ دینے والا سخت گنہگار ہوگا۔

ہر عبادت میں فرض کا ثواب زیادہ اور سنت کا ثواب فرض کے مقابلے کم ہوتا ہے لیکن سلام وہ واحد عمل ہے جس میں فرض (یعنی سلام کے جواب) سے سنت (یعنی سلام کرنے) کا ثواب زیادہ ہے۔

سلام کے بارے میں حضرت قدس سرہٗ العزیز زاد آخرت میں مزید فرماتے ہیں کہ ''مسلمان کو سلام میں ابتداء کرنا سنت ہے۔ اگر جماعت ہو یعنی کئی لوگ ایک ساتھ بیٹھے ہوں تو ان میں سب کو ایک سلام کافی ہے (یعنی سب کو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سلام کرنا سنت نہیں) مگر ہر ایک کو سلام کرنا اَفضل (ضرور) ہے۔ اسی طرح اگر مجمع میں سے کسی ایک نے بھی سب کی طرف سے جواب دینے کے قصد سے جواب دے دیا تو کافی ہے۔ جواب دینے کا فرض ساقط ہو جائے گا۔ سلام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سلام کو اس طرح بلند آواز سے کہنا چاہئے کہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے وہ سنے۔'' صرف ہاتھ ہلانے یا صرف اشارہ کرنے سے سلام نہیں ہوگا۔ بلکہ اس میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے تسلیم الیھود والاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارۃ بالاکف یہود کا سلام انگلیوں کے اشارے سے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کے اشارہ سے ہوتا ہے (جامع ترمذی بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)۔ اس لئے اس طرح کا سلام غیر قوم سے مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ البتہ اگر کوئی شخص بہت دور ہے اور وہاں تک آواز کا پہنچنا ناممکن ہو یا مشکل ہو تو سلام کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ہاتھ کا اشارہ کر دینا جائز ہے تاکہ اس شخص کو معلوم ہو جائے کہ یہ سلام کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر زبان سے سلام کے الفاظ ادا ہوں تو سلام ہوگا ورنہ نہیں۔

سلام کا سنت ہونا عمومی حکم ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں سلام کرنا مکروہ اور ایک صورت میں واجب بھی ہوتا ہے۔

مثلاً اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح حمام میں نہانے والے کو' کھانا

کھانے والے کو' قرآن پڑھنے والے کو' ذکر کرنے والے کو' طواف کرنے والے کو' وعظ کرنے والے یا سننے والے کو' پڑھانے اور پڑھنے میں مشغول شخص کو یا اذان واقامت کہنے والے کو یا حوائج ضروریہ کے لئے بیٹھنے والے کو' الغرض کسی بھی ایسے شخص کو جو یا تو مصروف عبادت ہے یا کسی اہم کام میں منہمک ہے' سلام کرنا سنت یا مستحب نہیں ہے۔ ایسے میں اگر سلام کردے تو سننے والے کو جواب دینا بھی فرض نہ ہوگا (زادِآخرت)۔

اسی طرح اگر کوئی سلام کرنے کی نیت سے سلام نہ کرے بلکہ سلام سے کوئی اور معنٰی مراد لئے جائیں تو جواب فرض نہیں جیسے عام طور پر بھکاری سلام کرتے ہیں۔ ان کا سلام کرنا سلام کے مقصد سے نہیں بلکہ مانگنے کے مقصد سے ہوتا ہے۔

اپنے رہائشی گھر کے سوا کسی اور کے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا واجب ہے۔ یہ وجوب ہر مسلمان پر ہے چاہے وہ بچہ ہو کہ بوڑھا' مرد ہو یا عورت۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم ہے

یا ایھا الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا ذالکم خیرلکم لعلکم تذکرون (سورۃ النور)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ تم ان سے اجازت حاصل نہ کرلو اور وہاں رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

لیکن افسوس کہ فی زمانہ اس کو زیادہ اہمیت نہیں دی جارہی ہے۔ جیسے یہ اللہ کا حکم نہیں بلکہ اپنے اختیار کا مسئلہ ہے۔ بالخصوص خواتین اس حکم سے بالکلیہ طور پر بے بہرہ نظر آتی ہیں گویا وہ اس حکم سے مستثنٰی ہیں حالانکہ یہ حکم سبھی کے لئے ہے۔

اس کے علاوہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے سلام کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ: ''سلام سیدھے کھڑے ہو کر کرے۔ پشت کو خم نہ کرنا چاہئے۔ زادِآخرت میں لکھا ہے کہ سلام کے لئے جھکنا مکروہ ہے۔''

باب ﴿۲۸﴾

مصافحہ

مصافحہ کی بابت حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ ''عالم سید اور دیندار سے مصافحہ کرنا بہتر ہے۔ آپس میں دوست میں بھی کریں تو جائز ہے (مگر) مصافحہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کو پیار کرنا' سونگھنا بیکار بات ہے (یہ مصافحہ میں داخل نہیں)۔'' مزید فرماتے ہیں کہ ''بعضے احمق تو اپنے ہی ہاتھ کو پیار کرتے ہیں۔ ہاں کوئی عالم' سید یا ماں باپ یا مرشد یا استاد ہو تو مضائقہ نہیں (یعنی مصافحہ تو صرف ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا نام ہے۔ ہاتھ چومنا ضروری نہیں البتہ عالم سید ماں باپ مرشد یا استاد کا ہاتھ چوما جا سکتا ہے) مگر ہر وقت مصافحہ اور تقبیل (یعنی جب ہاتھ ملائیں ہاتھ کو چومنا) حماقت ہے۔ (اسی طرح) پاؤں پر ہاتھ پھیرنا یا پاؤں کو پیار کرنا کوئی ضروری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بھی ملاقات کریں یہ سمجھنا کہ ہاتھ چومنا اور پاؤں پڑھنا ضروری ہے' سراسر غلط ہے۔''

مذکورہ ارشاد کے پیش نظر بعض حضرات اس مغالطہ کا شکار ہو گئے کہ حضرت محبوب اللہؒ نے مصافحہ کو ناپسند فرمایا ہے حالانکہ عبارتیں واضح ہیں اور عقل سلیم اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ حضرت نے مصافحہ سے منع بالکل نہیں فرمایا بلکہ مصافحہ کے ساتھ تقبیل کو ناپسند کیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح فرما دیا کہ مصافحہ معہ تقبیل سید' ماں باپ' استاد و مرشد وغیرہ سے جائز ہے البتہ اس کو ضروری سمجھنا اور ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مع تقبیل کی عادت ڈالنا غلط ہے جیسا کہ بعض حضرات نے اس کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ بلکہ حضرت کے زمانے میں مصافحہ معہ تقبیل اس حد تک رواج پا گئی تھی

کہ ایک دوسرے کو رسماً چوما جاتا تھا اور اس طرح نہ کرنا خلاف اخلاق تصور کیا جاتا تھا۔ (بلکہ آج بھی بعض حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہیں)۔ حضرت قدس سرہٗ کے زمانے میں یہ رسم اس حد تک آگے بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ اپنے ہی ہاتھ کو پلٹا کر چوم لیا کرتے تھے۔ حضرت نے ایسے لوگوں کو احمق قرار دیا ہے۔ اسی طرح جب ملاقات کریں پاؤں پڑنا بھی حضرت کو ناپسند ہے۔ حضرت کے الفاظ پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ آپ نے پاؤں کو ہاتھ لگانے کو ناجائز نہیں فرمایا۔ پاؤں پڑنا تعظیم کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ اور بزرگوں کی تعظیم مطلقاً جائز ہے البتہ حضرت نے پاؤں پڑنے کو ضروری سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو پاؤں نہ پڑنے کو خلاف ادب تصور کرتے ہیں۔

باب ﴿۲۹﴾

قیام تعظیمی

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے قیام تعظیمی کے متعلق فرمایا: ''کسی کی تعظیم سر وقد کھڑے ہوکر مسنون نہیں۔ جو اس کے خلاف کہے وہ ناپسند بات ہے۔ ہاں کسی کی دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے فرض وسنت نہیں۔ یہ جو اپنے بزرگوں کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس سے اٹھ کر جائیں تو سب اٹھتے ہیں اور پھر آئیں تو اٹھتے ہیں، بری بات ہے۔ ایسے تکبر کی باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مرشد اور اس کے مرید لوگ دونوں احمق ہیں جو اس کو جائز کہتے ہیں۔''

حضرت کے ان ارشادات کی شرح سے پہلے مناسب ہے کہ قیام تعظیمی کی ممانعت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ کیا جائے۔ جب تک احادیث شریفہ کو پیش نظر نہ رکھیں حضرت کے الفاظ پوری طرح سمجھ میں نہیں آئیں گے[1]

ممانعت سے متعلق احادیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے رہا کریں تو اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔ اور فرمایا من احب ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوا مقعده من النار جو شخص اس چیز کو دوست رکھے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہا کریں تو اس کو چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے (بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی بروایت معاویہؓ)

اور فرمایا: انما ھلک من کان قبلکم بانھم عظموا ملوکھم بان قاموا وھم

---

[1] قیام تعظیمی کے جواز سے متعلق دلائل کے لئے بانی جامعہ نظامیہؒ کی کتاب ''انوار احمدی'' کا مطالعہ کیجئے۔

قعود (طبرانی بروایت انسؓ) (جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے بادشاہوں کی اس طور سے تعظیم کی تھی کہ وہ کھڑے ہوتے تھے اور بادشاہ بیٹھے رہتے تھے)۔

اور ایک حدیث میں ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ تشریف لائے۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ہم نے حضور کو دیکھا تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ حضور نے فرمایا "**لاتقوموا کمایقوم الا عاجم بعضھم لبعض**" مت کھڑے رہو جیسے عجم کے لوگ ایک دوسرے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں (طبرانی)۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں اگر ہم حضرت کے ارشادات کا جائزہ لیں تو ہر بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ پہلی اور دوسری بیان کردہ حدیث شریف میں قیام تعظیم کی ممانعت نہیں بلکہ اس بات کو پسند کرنے کی ممانعت ہے کہ لوگ اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں کیونکہ اس طرح کی خواہش تکبر پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری حدیث میں بھی کبر و نخوت کی وجہ سے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور پھر "**قاموا وھم قعود**" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قیام تھوڑی دیر کا نہ ہوتا تھا بلکہ بادشاہ بیٹھے ہی رہتے تھے اور لوگ کھڑے ہی رہتے تھے۔

چوتھی حدیث میں بھی نفس قیام کی ممانعت نہیں بلکہ آنحضرتؐ کا خود اپنے لئے قیام کو منع فرمانا ثابت ہوتا ہے اور یہ منع کرنا اس خوف سے تھا کہ کہیں قیام تعظیمی افراط کی شکل میں ظاہر ہو کر فتنہ نہ بن جائے ورنہ بعض دیگر احادیث میں تو خود حضور کا کھڑا ہونا اور دوسروں کو کھڑے ہونے کی ہدایت کرنا ثابت ہے۔ مختصر یہ کہ جہاں جہاں بھی قیام تعظیمی سے منع کیا گیا ہے وہ صرف دو وجوہ کی بناء پر ہے (۱) تکبر (۲) تکلفات (پھر چوتھی حدیث کو جو طبرانی نے روایت کی ہے خود طبرانی نے ضعیف اور مضطرب السند کہا ہے)۔

آئیے اب حضرت محبوب اللہؒ کے الفاظ کا جائزہ لیں۔

فرمایا "کسی کی تعظیم سر وقد کھڑے ہو کر مسنون نہیں۔" گویا جائز تو ہے مگر مسنون نہیں ہے۔

''جو اس کے خلاف کہے وہ ناپسند بات ہے''یعنی جو اس کو مسنون کہے وہ ناپسند بات ہے ۔ پھر اس کے بعد مزید واضح فرمادیا ۔''ہاں کسی کی دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے ۔فرض وسنت نہیں ۔''حضرت قدس سرہٗ کی حیات طیبہ کے زمانے میں قیام تعظیمی کو اتنی زیادہ اہمیت دی جانے لگی تھی کہ لوگ اسے فرض اور سنت کی طرح ضروری سمجھنے لگے تھے ۔ جب کوئی کسی بزرگ کی تعظیم کے لئے نہ اٹھتا تو اس پر لعن طعن شروع ہوجاتی تھی جیسا کہ آپ کی سوانح گلدستہ تجلیات میں مذکور ہے ۔حضرت کو ایسے 'تکلفات' جو غیر شرعی ہیں 'قطعاً ناپسند تھے اس لئے آپ نے بطور تہدید قیام تعظیمی سے منع فرمایا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا ''یہ جو اپنے بزرگوں کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس سے اٹھ کر جائیں تو سب اٹھتے ہیں اور آئیں تو سب اٹھتے ہیں بری بات ہے ۔ ایسے تکبر کی باتوں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ۔''حضرت کے ان جملوں میں لفظ ''تکبر'' پر غور کریں تو بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے ۔تکبر کا اندیشہ ان لوگوں کے لئے ہوگا جن کی تعظیم کی جارہی ہے ۔ جو لوگ خود کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہورہے ہیں وہ تو عاجزی کا پیکر ہیں ۔ ان پر تکبر کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے ۔ دراصل حضرت کا یہاں منع فرمانا اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعظیم کے لئے نہ اٹھیں جو نہ اٹھنے پر برا مانتے ہیں ۔ اس طرح تکبر کرنے والا اور تکبر کا ساتھ دینے والا دونوں موجب عتاب ہوں گے ۔ساتھ ہی ساتھ اس منع کرنے میں یہ بھی ملحوظ ہوگا کہ محبت وعقیدت میں تکلفات عرفیہ کی ضرورت نہیں ۔ تعظیم کا محل دل ہے ۔ دل میں تو تعظیم نہ ہو اور محض تکلفات یا رسم کی بناپر اٹھتے ہوں تو یہ تعظیم نہیں بلکہ بزرگوں کی توہین ہے ۔

الغرض حضرت نے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نے بہ طور خاص ان باتوں سے منع فرمایا ہے:

(۱) قیام تعظیمی کو فرض یا سنت سمجھنا ۔

(۲) تکبر کرنے والے کی تعظیم کرنا (اس میں اٹھنے والا اور جس کے لئے اٹھا جائے وہ' دونوں برابر کے شریک ہیں)

(۳) کسی کی تعظیم کے لئے رسماً یا تکلفاً کھڑے ہونا۔

(۴) ایسے شخص کی تعظیم کرنا جو تعظیم نہ کرنے پر بُرا مانتا ہو۔

(۵) مجلس میں موجود تمام افراد کا اٹھنا۔

آخر میں فرمایا: ''غرض میری کہنے سے یہ کہ اب سے کوئی جھک کر سلام کرے یا ہر روز مصافحہ لازم سمجھے یا پاؤں کو ہاتھ لگائے یا تعظیم کو اٹھے وہ میرا مخالف ہے۔''

حضرت کا یہ کہنا کہ ''وہ میرا مخالف ہے'' سخت ناراضگی اور خفگی کو ظاہر کرتا ہے۔حضرت کا یہ جملہ بھی توجہ طلب ہے۔حضرت نے اس میں چار باتوں کا ذکر کیا ہے:

جھک کر سلام کرنا' ہر روز مصافحہ لازم سمجھنا' پاؤں کو ہاتھ لگانا یعنی پاؤں پڑنا یا قدم بوسی کرنا اور تعظیم کو اٹھنا۔

جھک سلام کرنے سے متعلق وضاحت سلام کے باب میں ہوچکی ہے۔باقی تینوں میں ایک نکتہ یہ ہے کہ ''ہر روز'' کا عطف تینوں باتوں پر ہو رہا ہے۔یعنی حضرت نے مصافحہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ ہر روز مصافحہ لازم سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔حضرت نے پاؤں پڑھنے یا قدم بوسی سے منع نہیں فرمایا بلکہ ہر روز یعنی جب کبھی ملاقات ہو پاؤں پڑنے سے یا قدم بوسی کرنے سے منع فرمایا ہے۔اسی طرح تعظیم کے لئے اٹھنے کا بھی معاملہ ہے۔

واضح رہے کہ تعظیم کا تعلق دل سے ہے۔اگر دل میں تعظیمی جذبات پیدا ہوں تو ایسی تعظیم قابل قدر ہے ورنہ تصنع' تکلف اور رسم سے کی گئی تعظیم بری چیز ہے۔اور یہی حضرت کے ارشاد کا صحیح مفہوم بھی ہے۔چناں چہ آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ وصال سے ایک ماہ قبل آپ نے یہ تحریر خادمین کے مجمع میں سنائی (جو سلام مصافحہ اور قیام تعظیمی سے متعلق ہے) اس

وقت آپ کے چہرے پر جلال کے آثار تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ بعض مریدین جب کبھی حاضر ہوتے بالالتزام سلام کے بعد مصافحہ کرتے اور قدم چوما کرتے تھے۔ اگرچہ آپ نے متعدد دفعہ انہیں اس سے منع بھی فرمایا مگر جوشِ عقیدت میں وہ اسی طرح کرتے رہتے تھے۔ اور بعض مریدین آپس میں ایک دوسرے سے بھی مصافحہ (مع تقبیل) لازم سمجھتے تھے۔ بعض کا حال تو یہاں تک ہوگیا تھا کہ بوقت مصافحہ خود اپنے ہی ہاتھ کو چوم لیا کرتے تھے (یعنی دوسرے کے ہاتھ کو چومنا دل کو گوارا نہیں لیکن چوں کہ رسم پوری کرنی ہے اس لئے اپنا ہی ہاتھ چوم لیتے تھے) ان تمام باتوں کو آپ نے ملاحظہ فرمایا اور اس کے بعد ہی اتنے سخت الفاظ پر مشتمل تحریر پڑھ کر سنائی۔

"گلدستہ تجلیات" میں مذکور ہے کہ جب آپ نے سب کو یہ سنایا تو خادمین پر عجیب کیفیت چھاگئی۔ وہ سماں بالخصوص عجیب ہوتا تھا جب آپ دولت سرا سے باہر تشریف لاتے اور ہر کوئی حکم کی تعمیل میں دم بخود ہوتا۔ جی تو چاہتا تھا کہ قدموں پر سر رکھ دیں لیکن کیا کریں اجازت نہیں ہے۔ اُس پر "وہ میرا مخالف ہے" کے الفاظ نے گویا سب کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہوں۔

حضرت محمد عبدالمقتدر صدیقی فضلؔ روایت کرتے ہیں کہ اس ارشاد کے چند روز بعد محفل سماع منعقد ہوئی۔ سب حاضر تھے۔ ہر کوئی قدم بوسی کے لئے بے تاب تھا مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ اتفاق سے قوال نے ایک لمبی غزل شروع کی جس سے محفل پر وجد کا عالم طاری ہوگیا۔ سب بے خود ہوگئے۔ حضرت سید محمد عمر حسینیؒ سے رہا نہ گیا۔ آپ نے حالت وجد میں حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور آنکھیں ملنے لگے۔ حضرت نے اس وقت بے حد شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا جس سے عنایت کا اظہار ہورہا تھا۔ جیسے ہی دیگر حاضرین نے اس منظر کو دیکھا سب دوڑ پڑے اور خوب جی بھر کر آنکھیں ملیں، قدموں کو چوما لیکن حضرت نے کسی کو منع نہیں فرمایا۔

اس واقعہ کی روشنی میں حضرت کے ارشادات کی توضیح جو ہم نے بیان کی ہے درست معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ﴿۳۰﴾

قرب فرائض

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا: ''جس طرح نوافل وفرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل وقرب فرائض میں بھی فرق ہے۔ اگر کوئی کام استخارہ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا ورنہ قرب نوافل میں۔ پس ہر کام میں استخارہ کرلیا کرو۔'' (گلدستہ تجلیات' بروایت بحرالعلوم حضرت حسرتؒ)

اللہ اور اس کے رسول کا کوئی بھی حکم جو نص قطعی سے وجوباً ثابت ہوتا ہے' فرض کہلاتا ہے۔ ہر وہ نیک کام جو بندہ اپنی خوشی اور مرضی سے کرتا ہے وہ نفل کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکم کی تعمیل میں کیا جانے والا کام اپنی مرضی سے کئے جانے والے کام کی بہ نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس میں ثواب بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ رات بھر جاگ کر سینکڑوں رکعت نوافل کا ثواب فجر کی دو رکعت فرض کے ثواب کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح رمضان شریف کے روزے کے بارے میں ہے کہ رمضان شریف کا ایک روزہ چھوٹ جائے تو عمر بھر کے نفل روزے اس کے مساوی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ فرض کی ادائیگی تحت امر ہے' قرب فرائض میں داخل ہے۔ جب کہ قرب نوافل کی سینکڑوں رکعتیں یا عمر بھر کے روزے اپنے ارادے سے ادا کئے گئے ہیں اس لئے فرض کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے سلسلہ قادریہ کی تعلیم قرب فرائض کو زندہ کیا اور لوگوں کو بے ارادہ تحت حکم جینے کی تعلیم دی تاکہ ہر کام کا ثواب کئی گنا بڑھ جائے اور اللہ

تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔ حکم کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے استخارہ کرلیا کریں۔ استخارہ میں حکم ملے تو کام شروع کریں ورنہ روک دیں۔ استخارہ کرنے کا طریقہ آگے بتایا جائے گا۔

قادری دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے مقاصد نسبت عالیہ قادریہ سے حاصل کرتے ہیں۔ ان کا ماخذ غوث الاعظمؒ کے حسب ذیل ارشادات ہیں:

(۱) ان لم یکن مریدی جید فانا جید

(اگر میرا مرید اچھا نہ ہوا تو کیا ہوا میں تو اچھا ہوں)

(۱) و افعل ماتشاء فالاسم عالی

(جو تم چاہو کرو پس میرا نام بڑا ہے)

(۲) لو کشف عورۃ مریدی بالمغرب وانافی المشرق لسترتہ

(اگر میرا مرید مغرب میں ہو اور اس کا ستر کھل جائے اور اگر میں مشرق میں رہوں (تب بھی) اس کا ستر ڈھانک دوں گا۔)

ایسے لوگ قرب نوافل کے قادری ہوتے ہیں جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

دوسرے قسم کے قادری وہ ہوتے ہیں جو بے حکم کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کا ہر فعل تحت امر الٰہی ہوتا ہے۔ ان کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ نہ خیر کی طلب نہ رفع شر سے مطلب۔ ان کا مرجع غوث اعظم کا یہ ارشاد ہوتا ہے کن کالمیۃ فی ید الغسال او کالکرۃ تحت صولجان الفارس او کالولد الرضیع فی حجر ظئرہ ایسے ہو جاؤ جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ یا پولو کھیلنے والے شہسوار کے بیاٹ کے نیچے کی گیند یا شیر خوار بچہ دودھ پلانے والی دایا کی گود میں۔ گویا ان کا عمل وما فعلتہ عن امری پر ہوتا ہے۔ یہ لوگ قرب فرائض والے قادری ہیں جو بہت کم ہیں۔ انہی کو پکے قادری بھی کہا جاتا ہے۔

استخارہ: استخارہ کے بارے میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں ہیں۔

ماخاب من استخار ولا ندم من استشار

(استخارہ کرنے والا نقصان نہیں اٹھاتا اور مشورہ کرنے والا پشیمان نہیں ہوتا۔)

حدیث شریف میں استخارہ کا طریقہ یوں بیان کیا گیا ہے:

استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے۔ سلام کے بعد درود شریف اور حسب ذیل دعائے استخارہ پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ...... اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَاالْاَمْرَ خَیْرٌ لِّی فِیْ دِیْنِی وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِہٖ فَاقْدِرْہُ لِی وَیَسِّرْہُ لِی وَبَارِکْ لِی فِیْہِ ...... اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَاالْاَمْرَ شَرٌّلِی فِیْ دِیْنِی وَمَعَاشِی وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِہٖ وَاٰجِلِہٖ فَاصْرِفْہُ عَنِّی عَنْہُ وَقَدِّرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِی بِہٖ ۔ (حصن حصین۔ جواہر خمسہ)

بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ عمل بہت نافع ہے۔ اللہ استخارہ کرنے والے کے دن بھر کے کام اپنی مرضی کے مطابق کر دیتا ہے۔ جس کسی کام کی نیت سے پڑھے اگر وہ اس کے حق میں بہتر ہو تو تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ اگر اس کے حق میں بہتر نہیں ہے تو کام نہیں بنے گا۔

اگر کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کرنا ہو تو بزرگوں نے بتایا کہ دو رکعت نماز پڑھیں۔ پہلی رکعت میں سورہ الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورہ الم ترا پڑھیں۔ سلام کے بعد حسب ذیل درود شریف گیارہ مرتبہ پڑھیں۔

اللھم صل علی حال سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد

اس کے بعد مذکورہ دعائے استخارہ پڑھ کر سو جائیں۔ خواب میں اشارہ ہو جائے گا۔

اگر ایک رات نہ ہو تو کئی مرتبہ یہ عمل دہرائیں۔ یا اگر کوئی فیصلہ فی الفور لینا ہو تو مذکورہ طریقہ پر عمل کے بعد قرآن مجید کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کا منشا معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تاہم استخارہ دیکھنے کے بعد امر کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ ابتداء میں استخارہ کے اسی طریقہ پر عمل کرنا چاہئے۔ بعد میں جب مجاہدہ و ریاضت کے بعد انوار الٰہی کے ذریعہ قلب کی صفائی ہو جاتی ہے۔ بھلائی اور برائی صاف نظر آنے لگتی ہے تو ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رہنمائی ہونے لگتی ہے۔ پھر دل میں آنے والی ہر بات استخارہ کا حکم رکھتی ہے۔ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا ؎

اے غلق دل سے پوچھے ہو پوچھنا اگر　　　رکھئے اٹھا کے طاق میں جھگڑا کتاب کا

اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کی تعلیمات میں سب سے زیادہ قلب کی صفائی کی اہمیت اور اس کی نگہداشت کا اہتمام ہے کیونکہ جسم انسانی میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انوار الٰہی کا یہی مسکن ہے۔ بقول استاذ فصاحت جنگ جلیلؔ ؎

جلیلؔ اچھا ہے دل کو پاک رکھنا ہر کدورت سے　　　اسی گھر میں ظہور جلوۂ جاناں نہ ہوتا ہے

اچھائی و برائی کا امتیاز انوار الٰہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پس جس قدر قلب صاف ہوگا اسی قدر نورانیت زیادہ ہوگی۔ جب نورانیت بڑھ جائے گی تو بھلائی اور برائی میں تمیز صاف ہو سکے گی۔ اگر قلب ہی بگڑ جائے تو پھر سارا جسم بگڑ جائے گا۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے:

ان فی جسد ادم مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب (بخاری)

(آدمی کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب

وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔)

آخر میں ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ استخارہ صرف ایسے امور میں کیا جائے گا جو مباح اور جائز ہوں۔ ناجائز کاموں میں استخارہ درست نہیں۔ فرائض وواجبات میں تو استخارہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو بہر حال پورے کرنے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر عالم کشف میں یا الہام کے ذریعہ کوئی حکم معلوم ہو تو اس کو قرآن وحدیث اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھ لینا چاہئے۔ اگر غیر شرعی بات ہو تو وہ الہام یا کشف نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
